إن الحكم إلا لله
أعذب المشارع في تحقيق الشارع
ملقب بہ لقب تحقیقی
شارع حقیقی
تصنیف لطیف
محدث جلیل ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی
ناشر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ
پوسٹ بکس ۱۵، مئو ۲۷۵۱۰۱ (الہند)
KAY KAMAL- MAU

إن الحكم إلا لله

أعذب المشارع في تحقيق الشارع

ملقب بہ لقب تحقیقی

شارع حقیقی

تصنیف لطیف

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی رح

ناشر

المجمع العلمي

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ

پوسٹ بکس ۱۰، مئو ۲۷۵۱۰۱ (الہند)

KAY KAMAL- MAU

نام کتاب : شارع حقیقی
تالیف : محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ
صفحات : ۸۰
سن اشاعت : ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
طبع ثانی : گیارہ سو
ناشر : المجمع العلمی، مرکزِ تحقیقات وخدماتِ علمیہ، مئو
قیمت :
باہتمام : مولانا رشید احمد صاحب الاعظمی مدظلہ
طباعت : شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی-۶ فون نمبر ۲۹۲۳۲۹۲

ملنے کا پتہ

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ
مرقاۃ العلوم-پوسٹ بکس نمبر ۱-مئو-۲۷۵۱۰۱
(یوپی-انڈیا)

فہرست

عرض ناشر

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد!

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت حقہ کی حمایت اور فرق ضالہ کے ردوابطال میں جونمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان میں ایک نہایت اہم اور روشن کارنامہ آپ کی تصنیف ''شارع حقیقی'' ہے۔ یہ کتاب حضرت محدث جلیل رحمۃ اللہ علیہ کی دینی ومذہبی غیرت وحمیت کی زندہ جاوید اور یادگار نشانیوں میں سے ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بریلوی مصنف مولوی سید محمد کچھوچھوی نے ایک کتاب ''التحقیق البارع فی حقوق الشارع'' (اردو) لکھی تھی، اس کتاب میں ان کی بدعت وضلالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ انھوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو شارع مطلق قرار دیتے ہوئے تشریع (شریعت سازی) میں آپ کو خدا کا شریک گردانا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی طبیعت سے جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہرالیں اور جس چیز کو چاہیں حرام قرار دے دیں۔ بریلوی مصنف کی اس کتاب کو حضرت محدث جلیل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں اس کا جواب دینے کی غرض سے روانہ کیا۔ حضرت محدث جلیلؒ نے اس کا نہایت جامع اور عالمانہ و فاضلانہ جواب تحریر فرمایا، اور مصنف موصوف کے تمام دلائل کے تار و پود بکھیر کر یہ

ثابت کر دیا کہ شارع صرف ذات باری تعالیٰ ہے، اور حضرت رسول خدا ﷺ احکام شریعت کو خدا کے بندوں تک پہنچانے والے ہیں۔

یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۷۵ھ میں رسالہ ''الفرقان'' (جو اس وقت بریلی سے نکلتا تھا) میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد اس کا کتابی اڈیشن بھی مکتبہ الفرقان ہی سے شائع ہوا۔ ادھر کافی عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، اب قادر مطلق کی توفیق سے اس کو دوبارہ ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو نافع اور بدعت وضلالت کے لیے قامع بنائے، آمین یا رب العالمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمداللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

آنحضرت ﷺ کی عظمت و جلالت، آپ کی افضلیت و اکرمیت، بارگاہِ احدیت میں آپ کی بے مثال مقبولیت ومحبوبیت، سارے انبیاء ورسل (صلوٰت اللہ علیہم وسلامہ) کی نسبت سے آپ کی امامت وسیادت، اور آپ کے اعلاء شان و اظہار شرف کے لئے بہتیرے امور میں من جانب اللہ آپ کے امتیاز وخصوصیت کا اعتقاد جان ایمان ہے، لیکن یہ اعتقاد ہو یا کوئی دوسرا عقیدہ اس میں غلو کرنا اور دائرۂ کتاب وسنت سے باہر نکل جانا ایمان ومحبت کی علامت نہیں، بے دینی و گمراہی کا نشان ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا کتاب وسنت کی بدیہیات میں سے ہے، کسی مسلمان کو اس میں مجال گفتگو نہیں ہے، باایں ہمہ ہمارے زمانہ کا بدعت نواز فرقہ اس بدیہی مسئلہ سے عملاً منکر ہے، وہ سرکار رسالت روحی فداہ ﷺ کی نسبت چند ایسے امور کا اعتقاد رکھنے ہی کو تعظیم ومحبت نبوی کے نام سے یاد کرتا ہے جن کو کتاب وسنت کی تائید حاصل نہیں، بلکہ قرآن وحدیث سے ان کا ردوابطال ہوتا ہے۔

حال ہی میں مجھے ایک عزیز کے توسط سے مولوی سید محمد کچھوچھوی (جن کو اس بدعت نواز فرقہ کے لوگ محدث صاحب کہتے ہیں) کا ایک رسالہ "التحقیق البارع فی حقوق الشارع" دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس میں "محدث" صاحب نے یہ ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو

چاہیں حلال فرمادیں اور جس کو چاہیں حرام فرمادیں، اور آنحضرت ﷺ کی اس اختراعی ''فضیلت'' سے انکار کو ''ملحدوں وہابیوں'' کی بدعت وضلالت قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن وحدیث سے مبرہن اور ائمہ دین کے اقوال میں مصرح ہے کہ تحلیل وتحریم کا اختیار تنہا جناب باری عز اسمہ کو ہے اور حکم علی الاطلاق صرف اسی کا حق ہے۔

چونکہ عزیز موصوف سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو پیش کرنے کے ساتھ مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق میں اپنی معلومات پیش کروں، اور ساتھ ہی ساتھ اس رسالہ پر بھی ایک تنقیدی نگاہ ڈالوں، اور امید ظاہر کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا، اور بہت سے لوگ غلط روی وغلط فہمی سے بچ جائیں گے، اس لئے متوکلاً علی اللہ ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

مسلک حق کی توضیح تحلیل وتحریم اشیاء کے باب میں تحقیقی مسلک یہ ہے کہ یہ تنہا خدائے تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اسی کا کام ہے، وہ اس میں منفرد ہے اور یہ خالص اسی کا حق ہے کسی دوسرے کو اس میں کسی نوع سے دخل نہیں ہے نہ بالذات کسی کو یہ اختیار حاصل ہے نہ بہ تفویض الٰہی، چنانچہ شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام حنفی تحریر میں فرماتے ہیں:

اَلْحَاكِمُ لَاخِلَافَ فِي أَنَّهُ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۲/۸۹)

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اور علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں: لَاحُكْمَ إِلَّا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ص ۱۲) حکم صرف اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔

نیز یہ معلوم اور کتب اصول فقہ میں مصرح ہے کہ تحلیل اور تحریم حکم تکلیفی کی

قسمیں ہیں اور حکم تکلیفی کی تعریف یہ ہے۔

خِطَابُ اللّٰہِ تَعَالیٰ الْمُتَعَلِّقُ بِأَفْعَالِ الْمُکَلَّفِیْنَ طَلَباً أَوْ تَخْیِیْراً

(۱)(دیکھو تحریر وغیرہ کتب اصول)

اس تعریف پر شبہہ ہوتا تھا کہ جو حکم حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت ہو اس پر تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ یا اہل اجماع یا مجتہد کا حکم ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور آں حضرت ﷺ یا اہل اجماع یا مجتہد اس کو صرف ظاہر اور بیان کرنے والے ہیں، شرح تحریر لابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

فَإِنْ قِیْلَ الْحُکْمُ الثَّابِتُ بِالسُّنَّةِ أَوِ الْإِجْمَاعِ أَوِ الْقِیَاسِ لِأَفْعَالِ الْمُکَلَّفِیْنَ شَرْعِیٌّ وَهُوَ غَیْرُ دَاخِلٍ فِيْ تَعْرِیْفِ الْحُکْمِ، لِأَنَّهُ لَیْسَ حُکْمَ اللّٰہِ تَعَالیٰ بَلْ هُوَ حُکْمُ رَسُوْلِهٖ أَوْ أَهْلِ الْإِجْمَاعِ قُلْنَا مَمْنُوْعٌ غَایَةُ الْأَمْرِ أَنَّ حُکْمَ النَّبِيِّ دَلِیْلُ حُکْمِهٖ تَعَالیٰ وَکَاشِفٌ عَنْهُ وَکَذَا الْبَاقِيْ فَلَا جَرَمَ أَنْ قَالَ وَالْحُکْمُ الثَّابِتُ بِمَا سِوَی الْکِتَابِ دَاخِلٌ فِيْ حُکْمِهٖ تَعَالیٰ لِأَنَّهُ أَيِ الْحُکْمُ الثَّابِتُ بِأَحَدِ هٰذِهٖ خِطَابُهٗ تَعَالیٰ وَالثَّلَاثَةُ کَاشِفَةٌ (ج ۲ ص ۷۹)

دیکھئے کتنا صاف اعلان ہے اس بات کا کہ آنحضرت ﷺ یا اہل اجماع یا مجتہدین حکم دینے والے نہیں ہیں۔ خود حلال و حرام فرمانے والے نہیں ہیں بلکہ خدا کے حکم کو بیان فرمانے والے ہیں، یہ مضمون تلویح صفحہ ۳۰ اور علامہ اسنوی شافعی کی شرح

---

(۱) [illegible] کا حکم جو افعال [illegible] سے متعلق ہو بطور طلب یا تخییر کے۔

منہاج الاصول ج ۱ ص ۲۲ علی ہامش التحریر میں بھی مذکور ہے۔

اور اگر اس سے بھی زیادہ صاف سننا چاہتے ہو تو سنو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور اور بے نظیر کتاب حجة الله البالغة میں تحریر فرماتے ہیں:

وسر ذلک ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت ان الشئى الفلاني يواخذ به او لا يواخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمواخذة و تركها و هذا من صفات الله تعالىٰ و اما نسبة التحليل والتحريم الى النبى ﷺ فبمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله وتحريمه و اما نسبتها الى المجتهدين من امته فبمعنى روايتهم ذلک عن الشرع من نص الشارع او استنباط معنى من كلامه. (ج ۱ ص ۴۹)

اور اس کا راز یہ ہے کہ تحلیل و تحریم اس تکوین کا نام ہے جو عالم ملکوت میں یوں نافذ ہوتی ہے کہ فلاں شے پر مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا پس یہی تکوین مواخذہ یا ترک مواخذہ کا سبب بنتی ہے اور یہ تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے، رہی تحریم و تحلیل کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف تو وہ اس معنی میں ہے کہ آپ کا قول قطعی نشانی ہے اللہ کے حلال و حرام کرنے کی، اور مجتہدین کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنی میں ہے کہ وہ اس کو نص شارع سے روایت کرتے ہیں یا کلام شارع سے استنباط کر کے بتاتے ہیں۔

اور علامہ ابوجعفر نحاس الناسخ والمنسوخ میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ آنحضرت ﷺ نے جو چیزیں منسوخ کی ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی سے

منسوخ کی ہیں، لکھتے ہیں:

وھکذا سبیل الاحکام انما تکون من قبل الله عز و جل (ص۲)

یعنی احکام شرعیہ کا یہی طریق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتے ہیں۔

اورحضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مذہب صحیح آنست کہ امرتشریع مفوض بہ پیغمبرنمی باشدزیرا کہ منصب پیغمبری منصب رسالت وایلچی گریست نہ نیابت خدانہ شرکت درکارخانہ خدائی آنچہ خدائے تعالیٰ حلال وحرام فرماید آنرا رسول تبلیغ می کندوبس ازطرف خوداختیارے ندارد'' (ص ۳۵۵)

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''بدیہی است کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست، شارع حق تعالیٰ است (ص۳۶۱)

اورحافظ بدرالدین عینی شرح بخاری ج۱۲ص۵۴۵ میں لکھتے ہیں: "فیہ ان التحلیل والتحریم من عند الله لامدخل لبشر فیه" یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل وتحریم خدا کے پاس سے ہوتی ہے اس میں کسی بشر کو دخل نہیں ہے۔

مسلک حق کے دلائل اوپر جو بات ذکر کی گئی ہے قرآن وحدیث میں اس کے دلائل اس کثرت سے ہیں کہ اس مختصر تحریر میں ان کا احاطہ مشکل ہے، صرف چند دلیلیں یہاں بطور نمونہ کے بیان کی جاتی ہیں۔

۱-اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً (مائدہ)

یعنی اے امتو! ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک شریعت اور کھلا ہوا راستہ بنایا ہے۔

اس آیت سے بلا تکلف یہ بات ثابت ہے کہ شریعتیں اور احکام سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔

۲-ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلیٰ شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا (جاثیہ) جلال الدین محلی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ثم جعلناک یا محمد علی شریعۃ طریقۃ من الامر امر الدین فاتبعھا یعنی پھر ہم نے بنایا (لگایا) تم کو اے محمد ﷺ ایک شریعت اور خاص طریقہ پر پس اس کی پیروی کیجئے۔

دیکھئے کتنا صاف مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت بنا کر آنحضرت ﷺ کو اس پر لگا دیا ہے اور آپ کو اسی کی پیروی کا حکم دیا ہے، خود شریعت بنانے اور حلال و حرام کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔

۳-اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّلِلّٰہِ (انعام) حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے۔

۴-وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَویٰ اِنْ ھُوَ اِلاَّوَحْیٌ یُّوْحیٰ (النجم) آپ اپنے جی سے نہیں بولتے وہ نہیں ہوتی مگر وحی جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ کو سامنے رکھ کر میں ان لوگوں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ''احکام شرعیہ حضرت محمد ﷺ کے سپرد ہیں جو کچھ چاہیں واجب کریں اور جو کچھ چاہیں ناجائز کر دیں،، پوچھتا ہوں کہ ان کی مراد کیا ہے؟ اگر وحی الٰہی کے ذریعہ سے واجب یا ناجائز کرنا مراد ہے تو یہ غلط ہو گیا کہ احکام شریعت آپ کے سپرد ہیں، اور اگر اپنے جی سے واجب یا ناجائز کرنا مراد ہے تو یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔

۵-مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (توبہ)

''نبی اور مومنوں کے لئے درست نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگر چہ وہ قرابت مند ہوں یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ وہ جہنمی ہیں''

آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے وقت ان پر کلمہ اسلام پیش کیا، مگر انھوں نے کلمہ نہیں پڑھا، آپ نے ان کے مرنے کے بعد فرمایا کہ بخدا میں تمھارے لئے ضرور استغفار کروں گا جب تک مجھے منع نہ کیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہاں یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کے لئے استغفار کو جائز قرار دیا تھا اس لئے کہ ایک چیز کو ناجائز سمجھتے ہوئے اس پر اقدام کا ارادہ آپ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے، پس یہ بات غور طلب ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو جائز و ناجائز کرنے کا اختیار ہے کہ جو کچھ چاہیں جائز کریں اور جو کچھ چاہیں ناجائز کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا کہ نبی کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے کا حق نہیں ہے، کیا یہ ''جو کچھ چاہیں'' میں داخل نہیں ہے؟

۶-مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال)

''یعنی کسی نبی کے لئے درست نہیں کہ اس کے لئے قیدی ہوں یہاں تک کہ کثرت سے خون بہائے زمین میں تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو

چاہتا ہے اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے اگر اللہ کا ایک حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔"

غزوۂ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دینے کو آنحضرت ﷺ نے جائز قرار دیا، اور اسی پر عمل ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اسی پر محبت آمیز عتاب فرمایا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ آپ جو چاہیں جائز اور جو چاہیں ناجائز کر دیں، ورنہ یہ عتاب بالکل بے محل ہوگا۔

۷۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ایک بار میں بیمار ہوا تو آں حضرت ﷺ پیدل میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیف اقضی فی مالی ؟ یعنی یا رسول اللہ میں اپنے مال کا کیا فیصلہ کروں، کس کس کو کتنا کتنا دوں؟ فما أجابني بشيءٍ حتی نزلت اٰیة المیراث تو آپ نے مجھے کچھ جواب نہ دیا تا آنکہ وراثت والی آیت (یعنی آیت کلالہ) نازل ہوئی۔ اس حدیث سے بلا کلفت واضح ہے کہ آپ احکام شرع میں وحی الٰہی کا انتظار کرتے تھے اور بلا نزول وحی اپنی طرف سے جواب نہ دیتے تھے، جس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آپ کو تحلیل وتحریم کا کامل اختیار تھا۔

۸۔۹۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کہا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتا پائے تو کیا کرے، اگر وہ کہتا ہے تو ایک بڑی خطرناک بات بولتا ہے (کہ اگر چار گواہ نہ پیش کر سکے تو سخت ترین سزا پائے) اور اگر چپ رہتا ہے تو ایک بڑی بات پر خاموشی اختیار کرتا

ہے(جو غیرت و شرافت کے خلاف ہے) یہ سن کر آنحضرت ﷺ چپ رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔

اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس صورت کا حکم نازل ہونے کے لئے خدا سے بار بار دعا کی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اے اللہ کھول دے۔ ان دونوں حدیثوں سے بھی خیال مذکور کا صاف ابطال ہوتا ہے۔

۱۰۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مقام جعرانہ میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اس شخص کے باب میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے عمرہ کا احرام باندھا درانحالیکہ وہ خوشبو میں (جس میں کہ زعفران کی آمیزش ہے) لپٹا ہوا ہے، حضرت یعلیٰؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اس کا کچھ جواب نہ دیا تا آنکہ وحی نازل ہوئی، اس حدیث سے بھی ثبوت مدعا ظاہر ہے۔

۱۱و۱۲و۱۳۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی مگر آپ چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منھ کر نماز پڑھیں اس لئے حکم خداوندی کے انتظار میں بکثرت آسمان کی طرف دیکھتے تھے (درمنثور ر اص ۱۴۱)

اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ (درمنثور ر اص ۱۴۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جبریل سے کہا کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ

اللہ مجھے یہود کے قبلہ سے دوسرے قبلہ کی طرف متوجہ کردے، جبرئیل نے کہا کہ میں تو آپ ہی کی طرح ایک بندہ ہوں کسی چیز کا آپ کے لئے اختیار نہیں رکھتا مگر جس کا مجھے حکم ملے، لہذا آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور سوال کیجئے، چنانچہ آپ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے رہتے تھے کہ شاید جبریل وہ چیز لاتے ہوں جو میں نے مانگی ہے (در منثور ا ص ۱۴۲)

ان روایات پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہنے کی جرات کس کو ہو سکتی ہے کہ آپ شریعت میں صاحب اختیار تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو تحویل قبلہ کے باب میں انتظار امر الہٰی کی یہ شدید زحمت آپ کیوں گوارا کرتے، اور حضرت جبریل آپ کو مذکورہ بالا جواب کیسے دیتے۔ اس صورت میں تو وہ یہ کہہ دیتے کہ آپ کو احکام شرع مفوض ہیں آپ جس جہت کو پسند فرماتے ہوں قبلہ قرار دے لیں۔ آنحضرت ﷺ کی شدت انتظار اور حکم تحویل قبلہ کے لئے بیقراری کا بیان خود قرآن کریم میں اس طرح ہے ﴿قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰها فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیریں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہیں اب اپنا منہ پھیریئے مسجد حرام کی طرف)

اگر غور کیجئے تو یہی ایک آیت ان بدعت نوازوں کے مذکورہ بالا خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

۱۴ و ۱۵- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت خولہ سے ان کے شوہر نے ظہار کیا اور انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر واقعہ سے مطلع کیا اور

حکم دریافت کیا تو حضرتؐ نے فرمایا: مَـا أُمِـرْنَـا فِـي أَمْرِكِ بِشَيءٍ اور دوسری روایت میں ہے: وَاللّٰـهِ مَـا أُمِـرْتُ فِـي شَـانِكِ بِشَيءٍ حَتَّىٰ الْآنِ وَلٰكِنْ ارْجِعِي إِلَىٰ بَيْتِكِ فَإِنْ أُومَرْ بِشَيءٍ لَا أُعْمِيهِ عَلَيْكِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ یعنی خدا کی قسم مجھ کو اس وقت تک تیرے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا گیا لیکن تو اپنے گھر لوٹ جا، اگر کوئی حکم ملے گا تو میں اس کو تجھ سے انشاء اللہ پوشیدہ نہ رکھوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میرے پاس اس بارے میں کچھ نہیں آیا (درمنثور ج ۶ ص ۱۸۰ و ۶ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲)

ان روایتوں سے بھی مدعا کا ثبوت آفتاب کی طرح روشن ہے، اس لئے کہ اگر آنحضرتﷺ کو یہ اختیار ہوتا کہ جو کچھ چاہیں جائز کریں اور جو کچھ چاہیں ناجائز تو قسم شرعی کے ساتھ یہ نہ فرماتے ''مجھے تیرے بارے میں اب تک کچھ حکم نہیں ملا'' بلکہ اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے اس کو کوئی حکم دے دیتے۔

۱۶۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرتﷺ نے فرمایا ''کہ نہ میں تم کو دیتا ہوں نہ میں تم سے روکتا ہوں، میں تو تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں'' حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

لا أتـصـرف فـيـكـم بعطية ولا أمنع برأيي وقوله انما انا قاسم اضع حيث امرت اي لاأعطي أحداً ولا أمنع أحداً إلابأمر الله

''یعنی میں تمہیں دینے یا نہ دینے میں اپنی رائے سے کوئی تصرف نہیں کرتا اور انما انا قاسم الخ کا مطلب یہ ہے کہ بے حکم خدا نہ کسی کو دیتا نہ کسی سے روکتا ہوں''

اس حدیث کو نظر کے سامنے رکھ کر قرآن کریم کی اس آیت ﴿وَمَا اٰتـاكُمُ

الرَّسُولُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ کو پڑھئے تو اس حدیث کی روشنی میں آیت کا مطلب اس کے سوا آپ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ آنحضرت ﷺ بے حکم خداوندی نہ دیتے ہیں نہ روکتے ہیں، اس لئے جو کچھ تمھیں آپ دے دیں لے لو، اور جس سے روکیں اس سے باز رہو، پس ''تحقیق بارع'' کے مصنف کا آیت مذکورہ کو اس غرض کے لئے پیش کرنا کہ اس سے آں حضرت ﷺ کا احکام شریعت میں بھی صاحب اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے، کھلا ہوا مغالطہ اور حدیث نبوی کی صریح مخالفت ہے۔

اطلاع حافظ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ انما انا قاسم میں تقسیم احکام و تقسیم مال دونوں کا احتمال ہے اور شرح بخاری میں دونوں کو لکھا ہے۔

۱۷- دارمی ص...... اور فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۲۸ میں حسان بن عطیہ تابعی سے منقول ہے کان جبریل ینزل علی النبی ﷺ بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن یعنی جس طرح قرآن لے کر حضرت جبریل آنحضرت ﷺ کے پاس آتے تھے اسی طرح وہ احکام بھی وہی لاتے تھے جو حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں، اس سے بلا کلفت استدلال واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جو حکم دیتے تھے وہ حضرت جبریل کا لایا ہوا اور وحی الٰہی ہوتا تھا یہ بات نہ تھی کہ آپ جو چاہیں حکم دے دیں۔

ایک لمحہ فکریہ اوپر جو آیات اور احادیث ذکر کی گئی ہیں، ان کے بعد کسی متبع حق کو جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو بااختیار صاحب تشریع قرار دے بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر یہ دلائل قاہرہ مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ سامنے نہ ہوں جب بھی کوئی صاحب فکر صحیح ایسا اعتقاد نہیں رکھ سکتا، لیکن افسوس ہے کہ جس فرقہ سے ہمارا تخاطب ہے وہ کبھی کسی مسئلہ پر غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتا اور نہ شاید اس کی

ضرورت سمجھتا ہے۔ کیا یہ سوچنے کی بات نہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو شریعت میں بااختیار ماننے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جن امور کی نسبت وحی نازل نہ ہوئی ہو ان کے باب میں اجتہاد کرنے اور وحی جلی یا خفی سے ان کے احکام کے استنباط کا آپ کو اختیار ہے، دوسرا یہ کہ جن اشیاء کے جو احکام بذریعہ وحی آئے ہیں ان کا لحاظ و اعتبار کئے بغیر محض اپنے جی سے کسی چیز کو حرام یا حلال کر دینے کا آپ کو اختیار ہے، پہلی صورت ہم کو بھی تسلیم ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کے مامور بالا جتہاد ہونے کو ہم بھی مانتے ہیں لیکن یہ شریعت میں با اختیار ہونا نہیں ہے بلکہ یہ تو شریعت میں وحی الٰہی کا تابع محض ہونا ہے، اور اس کے رو سے یہ کہنا غلط ہے کہ آپ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں اور جس کو چاہیں حلال کر دیں، یوں کہنا چاہئے کہ جس چیز کی حرمت کو وحی الٰہی مقتضی ہو اس کو حرام اور جس کی حلت کو مقتضی ہو اس کو حلال کر دیں، اگر یہ خوش فہم گروہ اجازت اجتہاد ہی کو شریعت میں بااختیار ہونا قرار دیتا ہے تو اس کے اس قول کی رو سے تنہا آنحضرت ﷺ ہی نہیں بلکہ تمام ائمہ مجتہدین شریعت میں بااختیار ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس کو آں حضرت ﷺ کی مخصوص فضیلت قرار دیتا ہے، اور اگر دوسری صورت مراد ہے تو وہ حسب تصریح علماء آپ کے لئے محال ہے، علماء جانتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ حجۃ الوداع میں اپنے ساتھ ہدی (قربانی کے جانور) لے گئے تھے، مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد ایک خاص وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے مجھ کو وہ بات معلوم ہوئی ہوتی جو پیچھے معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا، اس پر علامہ ابن امیر حاج حنفی شرح تحریر میں فرماتے ہیں کہ ہدی لانے کے لئے آپ بذریعہ وحی مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ حکم وحی کو اپنی طرف سے بدلنے کا اختیار آپ کو نہیں ہے اور محض اپنے جی

سے بھی نہیں لائے تھے کہ یہ آپ کے لئے محال ہے لہذا معلوم ہوا کہ ہدی لا نا بنا براجتہاد کے تھا، یہاں پر ان کا لفظ یہ ہے" ولا بالتشهي لامتناعه عليه نیز آپ کا مامور بالاجتہاد ہونا ہی اس بات کی بین دلیل ہے کہ محض اپنے جی سے کوئی حکم دینے کا اختیار آپ کو نہ تھا۔

حیرت ہے کہ ہمارے محققین علمائے احناف بالخصوص جن کو اس بدعت نواز طبقہ کے امام الکل اور اعلیٰ حضرت (فاضل بریلوی) ''الشيخ المحقق حيث اطلق '' لکھا کرتے ہیں یعنی شیخ ابن الہمام وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب تک نزول وحی کی امید وتوقع ہو اس وقت تک آنحضرت ﷺ کو اجتہاد کرنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ ہر اس حادثہ میں جس کے متعلق وحی نہ آئی ہو آپ کو پہلے وحی کے انتظار کرنے کا حکم ہے تا آنکہ جب توقع نہ رہے اس وقت اجتہاد کی اجازت ہے، اور ہمارے زمانے کے یہ بریلوی حنفی یہ کہیں کہ آپ کو کسی وقت بھی انتظار وحی کی ضرورت نہیں ہے جس چیز کو جب چاہیں اجتہاد سے بھی نہیں، اپنی طبیعت سے حرام یا حلال کردیں ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

شیخ کے اصل الفاظ مع شرح ابن امیر یہ ہیں:

المختار عند الحنفية المتاخرين ماعن اكثرهم أنه عليه السلام مامور في حادثة لاوحي فيها بانتظار الوحي اولا ماكان راجيه اى الوحي الىٰ خوف فوت الحادثة بلاحكم ثم بالاجتهاد ثانيا اذامضى وقت الانتظار ولم يوح اليه لأن عدم الوحي اليه فيها اذن في الاجتهاد حينئذ (۳ص۲۹۵)

اہل علم اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اس میں سوائے دو شکلوں کے اور کوئی شکل بیان نہیں کی گئی، ایک انتظار وحی اور دوسری اجتہاد، حالانکہ ان مبتدعین کا نقطہ نظر صحیح ہوتا تو اس تیسری شکل کا بھی ذکر ہوتا، نیز یہ بھی غور کے قابل بات ہے کہ اس عبارت میں آں حضرت ﷺ کو صرف انتظار وحی یا اجتہاد کا مامور بتایا گیا ہے تحلیل و تحریم کا مختار نہیں، اور یہ بات خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد عالی سے بھی ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد میں بروایت حضرت ام سلمہؓ مروی ہے وانما اقضي برأيي فيما لم ينزل علي فيه یعنی اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں، اس صورت میں کہ مجھ پر اس کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہو، اس حدیث کو علامہ ابن امیر حاج نے وقوع اجتہاد نبوی کے باب میں نص صریح کہا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث میں رائے سے مراد اجتہاد ہے اس کو لحاظ میں رکھئے اور انما (کلمہ حصر) کو بھی نظر انداز نہ کیجئے تو حدیث کا صاف وصریح مطلب یہ ہوا کہ آں حضرت ﷺ کے فیصلہ اور حکم دینے کی بس دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ وحی نازل ہو، دوسرے یہ کہ اجتہاد فرمائیں تیسری کوئی صورت نہیں، اب آں حضرت ﷺ کو شریعت میں با اختیار کہنے والے بتائیں کہ انھوں نے تیسری صورت کے نہ ماننے والوں پر جو الحاد و وہابیت کا الزام لگایا ہے وہ کہاں تک پہونچتا ہے۔ العیاذ باللہ

فائدہ نبی اور غیر نبی کے اجتہاد میں فرق یہ ہوتا ہے کہ غیر نبی کے اجتہاد میں خطا کا واقع ہونا اور اس کا باقی رہ جانا ممکن ہے اور نبی کے اجتہاد میں یا تو خطا واقع نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو وہ برقرار نہیں رہتی ہے بلکہ من جانب اللہ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ غیر نبی کا اجتہاد صواب بھی ہو تو وہ بمنزلہ وحی کے نہیں ہوتا، برخلاف

اجتہاد نبی کے کہ جب وہ برقرار رکھا جائے اور بذریعہ وحی کے اس میں خطا واقع ہونے کو بیان نہ کیا جائے تو وہ وحی باطن یا وحی غیر متلو کی ایک قسم ہو جاتا ہے، شیخ تحریر میں فرماتے ہیں:

" فان اقر أوجب القطع بصحته فلم تجز مخالفته بخلاف غيره من المجتهدين وهو وحي باطن

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں تمام احکام کا سرچشمہ صرف وحی ہے چاہے وحی متلو ہو یا غیر متلو، وحی متلو قرآن پاک، اور غیر متلو سنت۔

مخالفین کے دلائل

مسلک حق اور اس کے دلائل بیان کرنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ فریق مخالف اپنے خام خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کرتا ہے ان کو بھی ناظرین کے سامنے لایا جائے تا کہ مسئلہ کے دونوں پہلو روشن ہو جائیں اسی لئے میں مخالفین کے دلائل ''التحقیق البارع'' سے نقل کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ان کے استدلال کی خامیوں کو بھی دکھاتا ہوں۔

۱۔لطیفہ: مولوی سید محمد صاحب نے سب سے پہلی دلیل حدیث سے دی ہے اس کے بعد قرآنی دلائل (آیات) کا درجہ رکھا ہے اس تقدیم ماحقہ التاخیر کا راز شاید یہ ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اصل شارع ثابت کرنا چاہتے ہیں اور باری تعالیٰ کو دوسرے درجہ میں، بہر حال وہ حدیث یہ ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اس شرط پر اسلام لایا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھا کروں گا حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا، اس حدیث سے کچھوچھوی صاحب یہ ثابت کرتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں'' (ص ۳)

اس دلیل پر کلام یہ ہے کہ اولاً تو حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو مستثنیٰ فرمادیا، دو نمازوں کے قبول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو تین سے مستثنیٰ کردیا، بلکہ ممکن ہے کہ آپ نے ان سے صرف دو نمازوں کو بایں خیال قبول فرمالیا ہو کہ اسلام لانے کے بعد اس کی برکت سے یہ خود

بخود پنج وقتہ پڑھنے لگیں گے، اس لئے پہلے ہی سے پنج وقتہ نمازوں کا اقرار لینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور برسبیل ارخاء عنان ان کی شرط تسلیم کر لی، ثانیاً ممکن ہے کہ آپ نے اس لئے اس کو قبول کر لیا ہو کہ کافر رہنے سے تو بہر حال یہ اچھا ہی ہے کہ آدمی مسلمان ہو جائے چاہے تمام فرائض بجا نہ لائے کیوں کہ اس صورت میں وہ ایک بے عمل اور ایسا قصوروار انسان ہوگا جس کے گناہوں اور قصوروں کی معافی توبہ وغیرہ کے ذریعہ ہو سکے گی، برخلاف کافر کے کہ وہ جب تک ایمان نہ لائے اس کی مغفرت و نجات کی کوئی صورت نہیں قرآن کریم میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقاً اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَداً وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْراً﴾ (۱) (سورہ نساء)

یہ تو کافر کے باب میں ہے اور قصوروار مومنوں کے حق میں فرمایا ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّاٰخَرَ سَیِّئاً عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (۲) (التوبہ)

ایک اور مقام میں ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾ (۳)

اور آنحضرت ﷺ کو جتنا اہتمام، جتنی حرص اور جس قدر فکر لوگوں کو کفر و

---

(۱) بتحقیق جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم کیا اللہ پاک ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ان کو کسی راستے کی ہدایت کرے گا سوائے دوزخ کے راستہ اسی میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، الخ ۱۲

(۲) اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کے عمل اچھے اور برے دونوں قسم کے ہوئے قریب ہے کہ اللہ پاک ان پر عنایت کرے بیشک اللہ غفور ورحیم ہے۔۱۲

(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشے گا اس کے سوا اور گناہوں کو جسے چاہے بخش دے گا۔۱۲

شرک کے ظلمات سے نکال کر ایمان واسلام کے آب حیات تک پہونچانے کی تھی اس کے لحاظ سے یہی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے ان کی شرط اس لئے قبول کر لی کہ وہ کسی طرح مستحق نجات تو ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کو جو فکر لوگوں کے ایمان لانے کی رہا کرتی تھی وہ قرآن کریم کی ان آیتوں سے ظاہر ہے ﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا﴾ (۱) (کھف)

سورہ شعراء میں فرمایا ﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ (۲) حتیٰ کہ بعض اوقات اس اہتمام میں بعض مخلص مومنوں کی طرف جو مستحق توجہ تھے توجہ نہ ہو سکی جس پر یہ محبت آمیز عتاب نازل ہوا ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْکَ اَنْ لَّا یَزَّکّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی﴾ (۳) (سورہ عبس)

حاصل کلام یہ کہ حدیث مذکور میں ان صحابی کو تین نمازوں سے مستثنیٰ قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا قریب بہ یقین محمل یہ ہے کہ ان صحابی کی شرط کو آنحضرت ﷺ نے اس لئے قبول کر لیا کہ اگر انھوں نے بالفرض ایسا ہی کیا جیسا وہ کہہ رہے ہیں تو بھی یہ عملی کوتاہی ہوگی جو بہر حال کافر رہنے سے ہلکا جرم ہے، پھر یہ

---

(۱) شاید آپ اپنی جان کھوڈالیں گے ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس رنج میں۔۱۲

(۲) شاید آپ اے رسول اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اس رنج میں کہ وہ مسلمان نہیں ہوتے۔۱۲

(۳) اور جو بے پروائی کرتا ہے تو اس کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تجھ پر کوئی بار نہیں اگر وہ پاک نہ ہو اور جو تیرے پاس دوڑتا آیا اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے تو تو نے اس سے تغافل برتا۔۱۲

بھی ضرور نہیں کہ ایسا ہی کریں بلکہ ظن غالب ہے کہ مسلمان ہونے پر تعلیم صحبت نبوی اور صحابہ کی رفاقت کی برکت کی وجہ سے اپنے اس خیال پر قائم نہ رہیں گے اور خداوند تعالیٰ ان کو پورے فرائض ادا کرنے کی توفیق دیں گے۔

چنانچہ جہاں یہ دینی مصلحت پیش نظر نہ تھی اور جس جگہ معاملہ اس میں منحصر نہ تھا کہ کافر رہنے دیا جائے یا عملی کوتاہی گوارا کر لی جائے، وہاں آپ نے اس قسم کی کوئی شرط قبول نہیں فرمائی، احادیث و سیر پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف نے جب اسلام قبول کیا تو انھوں نے چند درخواستیں پیش کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ ان کو نماز سے معافی دی جائے، آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا وَأَمَّا الصَّلٰوۃُ فَلاَ خَيْرَ فِي دِيْنٍ لاَصَلٰوۃَ فِيْهِ یعنی اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

اسی طرح بجرہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ ہم آپ کے حضور میں حاضر ہوکر اسلام لائے اور یہ درخواست کی کہ ہم سے عشاء کی نماز اٹھا لیجئے کہ اس وقت ہم کو اونٹنیوں کا دودھ دوہنا رہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ تم دودھ بھی دوہو گے اور نماز بھی پڑھو گے غرضیکہ نماز نہیں معاف ہوسکی (مجمع الزوائد جلد اول)

ان دونوں واقعوں میں چونکہ اصحاب معاملہ ایمان لا چکے تھے اور ان کے ارتداد وغیرہ کا کوئی خوف بھی نہیں تھا، اس لئے آپ نے ان کو اس ڈھیل دینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بخلاف اس واقعہ کے جس کو کچھوچھوی صاحب نے دلیل میں پیش کیا ہے، کیوں کہ وہ شخص اس شرط پر ہی ایمان لانے کے لئے تیار تھا اس لئے وہاں آپ نے اسی کو حکمت اور مصلحت سمجھا، نہ یہ کہ اپنے اختیار سے آپ نے اس کے لئے

تین وقت کی نماز معاف کر دی۔

اس گذارش کے بعد میں کچھوچھوی صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر جناب کے پاس کوئی غیر مسلم حاضر ہو کر کہے کہ مجھے مسلمان کر لیجئے مگر میں دو ہی وقت کی نماز پڑھوں گا اور فرض کیجئے کہ آپ اسے سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے مگر وہ نہیں سمجھا اور اسی بات پر اڑا رہا تو بتایئے آپ کیا کریں گے، کیا اس کو آپ یہ خیال کر کے مسلمان کر لیں گے کہ اس وقت تو اسے مسلمان کر ہی لو پھر کسی طرح سمجھا بجھا کر پانچوں نمازوں کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے گی، یا یہ کہہ دیں گے کہ جاؤ جب تک پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا اقرار نہ کرو گے تمھارے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اگر پہلی شکل اختیار کیجئے تو آپ کا حدیث مذکورہ بالا کو خصائص نبوی میں شمار کرنا غلط ہو گیا اور آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ "اس روایت میں ہم لوگوں کے حق میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنٰی فرمادیں، یہ بات ہمارے نبی کریم ﷺ کے فضائل و خصائص سے ہے" (ص ۳) اس لئے کہ جب آپ نے بھی اس حدیث کے مطابق عمل کیا تو خصائص میں سے کہاں رہی؟ اگر کہیئے کہ آنحضرت ﷺ نے مستثنٰی فرمادیا تھا، اور یہی آپ کے خصائص سے تھا اور ہم نے مستثنٰی نہیں کیا تو عرض یہ ہے کہ حدیث مذکور میں استثنا کا کہیں نام ونشان نہیں ہے، یہ تو محض آپ کا طبع زاد خیال ہے، یا بعض شوافع کی تقلید۔

اور اگر آپ دوسری صورت اختیار کریں، تو آپ کا فرض ہے کہ اپنے اس عمل کی کوئی شرعی سند پیش کریں ہم کو تو اس بات کی کوئی سند شریعت میں نہیں ملتی کہ جب تک ایک شخص پانچوں نمازوں کی پابندی کا اقرار نہ کرے اس وقت تک اس کو

اسلام میں بھی داخل نہ کیا جائے ، بلکہ اس کے برخلاف ہم کو یہ حدیث ملتی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت جو ہدایات دی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی فَاِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ اِلٰى اَنْ يَشْهَدُوا اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ کُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ (صحیحین)

اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْا لِذٰلِکَ یعنی جب تم یمن والوں کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو اقرار توحید ورسالت کی طرف دعوت دو پس اگر وہ کلمہ شہادت پڑھ لیں اور مان لیں تو اس کے بعد ان کو بتاؤ اور سمجھاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

حافظ ابن حجر شافعی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: بدأ بالأهم فالأهم و ذلک من التلطف في الخطاب لأنه لو طالبهم بالجميع في أوّل مرة لم يأمن من النفرة یعنی سب سے اہم بات سے ابتداء کی پھر جو اس کے بعد اہم ہے اس کو بتایا اور یہ گفتگو میں سہولت ونرمی اختیار کرنے کے باب سے ہے اس لئے کہ اگر ایک ہی مرتبہ سب باتوں کا مطالبہ کر بیٹھتے تو اندیشہ تھا کہ ان کو نفرت ہو جاتی اور وہ گھبرا اٹھتے۔

مختصر یہ کہ مسند احمد کی اس حدیث میں تین نمازوں سے مستثنیٰ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ استثناء ماننے پر کوئی چیز مجبور کرتی ہے بلکہ اس کا ایک دوسرا نہایت نفیس و قوی محمل موجود ہے، اور اگر کوئی معاند اس محمل کو نفیس وقوی نہ مانے تو بھی اس کی موجودگی میں مخالفین کے مدعاء پر اس حدیث سے استدلال ممکن نہیں ہے کیوں کہ اذا

جاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال پیدا ہو گیا تو استدلال باطل ہو گیا اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے، اور اگر بالفرض استثناء کی تصریح ہوتی تب بھی استدلال ممکن نہ تھا اس لئے کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ سنت کو بھی حضرت جبریلؑ لاتے تھے، اور یہ کہ امر دین میں آنحضرت ﷺ کا ہر غیر اجتہادی **قول** فرداً فرداً وحی سے ہوتا تھا، پس اگر استثناء ہوتا بھی تو وہ آپ کے اختیار اور طبیعت سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہوتا(۱)۔

۲-دوسری دلیل کچھوچھوی صاحب نے یہ پیش کی ہے "مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" جو حکم وغیرہ رسول تم کو دیں اس کو اختیار کرو اور جس سے روکیں اس سے باز رہو۔ (ص۳)

معلوم نہیں آیت کے کس لفظ سے کچھوچھوی صاحب آنحضرت ﷺ کا شریعت میں با اختیار ہونا سمجھ رہے ہیں اگر "دینے" اور "روکنے" کے لفظ سے وہ یہ سمجھتے ہیں تو ان کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اس میں اور صاحب اختیار ہونے میں کیا لزوم ہے؟ کیا با اختیار نہ ہوں بلکہ متبع وحی ہوں تو "دینا" اور "روکنا" صادق نہیں آئے گا، اصل یہ ہے کہ کچھوچھوی صاحب آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے، اور جب تک بدعت کی ظلمت دور نہ ہو اس کی امید بھی نہیں ہے۔

اہل حق کی دلیل نمبر ۱۶ کے ذیل میں خود آنحضرت ﷺ کی حدیث سے

---

(۱) اس جگہ ہم نے کچھوچھوی صاحب کی پیش کردہ حدیث پر صرف معنوی کلام کیا ہے، حالانکہ اس کی سند میں بھی کلام کی گنجائش تھی، لیکن بقصد اختصار ہم نے اس وقت اس کو چھوڑ دیا، اگر ضرورت پیش آئی تو آئندہ کسی صحبت میں اس کے متعلق بھی انشاء اللہ کچھ عرض کیا جائے گا۔ ۱۲ منہ

ثابت کر دیا گیا ہے کہ آپ از خود کوئی حکم نہیں دیتے بلکہ اوپر سے جو ملتا ہے اسی کو پہونچا دیتے ہیں، پس آیت مذکورہ کی مراد یہ ہوئی کہ جو حکم وغیرہ رسول تم کو دیں اس کو اختیار کرو اور جس سے روکیں باز رہو، کہ وہ وہی دیتے ہیں جس کے دینے کا ان کو حکم ہوتا ہے اور اسی سے روکتے ہیں جس سے روکنے کی بابت ان پر وحی آتی ہے، لہذا اس آیت سے صاحب اختیار ہونے کے بجائے شریعت کی ہر ہر بات میں آپ کا متبع وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔تیسری دلیل کچھوچھوی صاحب کی یہ ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْباً عِنْدَھُمْ فِیْ التَّوْرَاۃِ وَالاِنْجِیْلِ یَاْمُرُ ھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَاھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ (اعراف)

(جو لوگ پیروی کرتے ہیں اس نبی امی کی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے نزدیک توریت وانجیل میں جو ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے ان کو برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور حرام فرماتا ہے ان پر ناپاکیوں کو)

اس آیت سے بھی ان کا استدلال غلط ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ نبی کی طرف تحلیل وتحریم کی نسبت بایں معنی ہے کہ نبی کا قول اللہ کے حرام یا حلال کرنے کی قطعی نشانی ہے نہ بایں معنی کہ نبی نے خود اپنی طرف سے حلال یا حرام کیا ہے، (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ج۱ص۴۹)

نیز حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ حدیث "اِنَّ ابراھیمَ حَرَّمَ مکۃَ"

الحدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اسناد تحریم با براہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید و اعلام کرد حکم الٰہی را، زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدائے تعالیٰ است و حکم وے قدیم است و انبیاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم رسانندہ آں احکام اند'' (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۸)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تحریم کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے حکم الٰہی کو پہنچایا اور اس سے آگاہ کیا، اس لئے کہ شریعتوں اور احکام کا حاکم تو خدا ہے اور اس کا حکم قدیم ہے۔ باقی انبیاء علیہم السلام تو صرف ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔

کچھوچھوی صاحب اور ان کے یاران طریقت حضرت شیخ کی یہ عبارت بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت ممدوح نے ان کے خیال فاسد کی جڑ کس طرح کاٹ دی ہے۔

اور علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں: نسبة الحکم لابراهیم علی معنی التبلیغ (ج ۱ ص ۵۴۹)

ان حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی واقعیت و صداقت کا گویا آنکھوں سے مشاہدہ ہونے لگتا ہے جب حدیث تحریم مدینہ (زادھا اللہ شرفاً) کے طرق متعددہ سامنے رکھے جائیں، تو ضیح اس کی یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ، رافعؓ بن خدیج، سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت انسؓ سے اور طحاوی میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے اور مسند احمد میں حضرت کعب بن مالکؓ سے اور بیہقی میں حضرت عبادہؓ سے جو حدیثیں حرم مدینہ کے باب میں مروی ہیں ان میں تحریم کی نسبت آنحضرت ﷺ کی

طرف ہے، جس کے ظاہر سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے حرم مدینہ کی تحریم فرمائی، لیکن اسی باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی جو حدیث صحیح بخاری میں ہے اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنی زبان معجز ترجمان سے اعلان کیا کہ میں صرف حکم الٰہی کا مبلغ ہوں بخاری کے الفاظ یہ ہیں: حُرِّمَ مَابَیْنَ لاَبَتَیِ الْمَدِیْنَةِ عَلیٰ لِسَانِي یعنی مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے مابین کی حرمت کا اعلان میری زبان سے کرایا گیا، اور اس سے زیادہ واضح مسند امام احمد کے الفاظ ہیں: إنَّ اللّٰہَ تعالیٰ حَرَّمَ عَلیٰ لِسَانِي مَا بَیْنَ لاَبَتَیِ الْمدینةِ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے حرام کیا، دیکھئے اس میں کتنا صاف بیان ہے کہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، لیکن اس کا اعلان میری زبان سے ہوا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ جہاں جہاں تحریم کی نسبت خود آنحضرت ﷺ کی طرف ہے اس سے مراد اعلان و تبلیغ تحریم ہے۔

۴- کچھوچھوی صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ قَاتِلُوْا الَّذِیْنَ لاَیُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلاَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ یُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ (سورہ توبہ) یعنی جنگ کرو ان سے جو نہیں مانتے اللہ کو اور یوم آخرت کو اور نہیں حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کردیا اللہ نے اور حرام کردیا رسول اللہ نے۔ (ص ۳)

اس دلیل کا بھی وہی حال ہے جو تیسری کا ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کی طرف تحریم کی نسبت اسی معنی میں ہے جس معنی میں اس سے پہلی آیت میں ہے۔

۵- پانچویں دلیل کچھوچھوی صاحب نے یہ لکھی ہے مَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَنْفُسِھِمْ

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (سورہ احزاب) کوئی حق نہیں ہے کسی مسلمان مرد وعورت کو جب کہ حکم دے اللہ کا رسول کسی کام کا کہ ان کے لئے کچھ اختیار ہے اپنی جانب سے اور جو حکم نہ مانے اللہ کا اور جو حکم نہ مانے رسول اللہ کا وہ بلاشبہہ کھلی ہوئی گمراہی میں بہک گیا ہے۔ (ص ۳)

اس دلیل پر کچھ لکھنے سے پہلے مجھے کچھوچھوی صاحب سے ازراہ دلسوزی یہ کہنا ہے کہ پہلے قرآن کریم سے کچھ تعلق پیدا کر لیجئے اس کے بعد قرآن سے استدلال کرنے کا حوصلہ کیجئے گا، مہربان! قرآن پاک میں یہاں پر من انفسهم نہیں ہے من امرهم ہے، کوئی یہ نہ خیال کرے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اس لئے کہ کچھوچھوی صاحب نے آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں بھی من انفسهم ہی کا ترجمہ کیا ہے خط کشیدہ الفاظ دیکھئے۔

اس کے بعد گذارش ہے کہ یہ آیت بھی آپ کے لئے مفید مدعا نہیں ہے چنانچہ مولانا عبدالحق مہاجر مکی جو مخالفین کے ایک معتمد بزرگ ہیں اکلیل میں لکھتے ہیں:

ذكر الله لتعظيم أمر رسول الله ﷺ وللإشعار بأن قضاء رسول الله هو قضاؤه لأن قضاء الرسول بأمر الله ووحيه وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى (ج۶ ص ۲۸)

یعنی اذا قضى الله میں اللہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے یا اس بات کو بتانے کے لئے ہے کہ رسول کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے، کیوں کہ رسول کا حکم اللہ ہی کے حکم اور اللہ ہی کے وحی سے ہوتا ہے، اور رسول اپنے جی سے بات نہیں بولتے، وہ نہیں ہوتی مگر وحی جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے، دیکھئے کتنا

صاف اقرار ہے اس بات کا کہ آیت میں آنحضرت ﷺ کا جو حکم دینا مذکور ہے اس سے وحی الٰہی سے حکم دینا مراد ہے، اور یہ کہ رسول اپنے اختیار سے حکم نہیں دیتے بلکہ خدا جو حکم نازل کرتا ہے وہ اسی کو پہنچاتے ہیں۔

۶-مخالفین کی چھٹی دلیل یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے حرم مکہ کے درختوں کی نسبت یہ بیان فرمایا کہ ان کا کاٹنا حرام ہے تو حضرت عباسؓ نے اذخر کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا، اس حدیث کو نقل کر کے کہا جاتا ہے کہ " اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے شریعت مقرر فرمانے کا حق آنحضرت ﷺ کو نہ دیا ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس بات کی جرأت نہ فرماتے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے اس میں سے کچھ بھی مستثنیٰ فرمائیں" (ص ۵)

اس کے جواب میں نقض اجمالی کے طور پر ہماری پہلی گذارش تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف سے شریعت مقرر کرنے کا حق دے دیا تھا تو تحریم ماریہؓ یا تحریم عسل پر یہ کیوں فرمایا ﴿یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ﴾ اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس شے کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ اپنی طرف سے شریعت مقرر کرنے، اور حلال وحرام کرنے کا حق و اختیار دینے کے بعد کیا ایسا سوال ممکن ہے؟ کیا خود اپنے عطا کئے ہوئے حق کو استعمال کرنے پر بھی خدا باز پرس وعتاب کر سکتا ہے؟ حاشا وکلا ہمارے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے ارفع واعلیٰ ہے، کہ وہ کسی کو خصوصاً اپنے حبیب ﷺ کو کوئی حق دینے کے بعد اس حق کے استعمال پر نکیر فرمائے۔

کچھوچھوی صاحب یہاں پر یہ بات خوب سمجھ لیں کہ کسی حکم نبوی کو خدا کا

مسترد کر دینا اور شے ہے، اور اپنی طرف سے کوئی حکم دینے پر آنحضرت ﷺ سے باز پرس کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے کیوں حکم دیا، دوسری شے ہے، پہلی شے سے مسئلہ اختیار نبوی پر" خلاف اثر" پڑتا ہو یا نہ پڑتا ہو لیکن دوسری شے سے اس مسئلہ پر یقیناً " خلاف اثر" پڑتا ہے، اور آیت مذکورہ میں دوسری ہی بات مذکور ہے یعنی تحریم ما احل اللہ پر نکیر، جس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے آپ کو اس کا حق نہیں دیا تھا، آپ اس نکتہ کو سمجھ نہیں سکے، اس لئے آپ نے ص ۱۰ میں یہ لکھ دیا کہ " اس آیت سے مسئلہ اختیار نبوی پر کوئی خلاف اثر نہیں پڑتا"

اس گذارش کے بعد اب میں کچھوچھوی صاحب کو یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حدیث مذکور سے ان کے مدعا کا ثبوت از قبیل محالات ہے، جب تک کہ وہ خود حدیث میں یہ آنحضور ﷺ کی تصریح نہ دکھائیں کہ میں نے اذخر کو اپنی طرف سے مستثنیٰ کر دیا ہے، یا یہ ثابت کریں کہ استثناء اذخر کی دوسری کوئی توجیہ ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس کو باختیار نبوی مانا جائے، اور یہ دونوں باتیں محال ہیں، اول اس لئے کہ تصریح مطلوب حدیث کے کسی طریق میں مذکور نہیں اور دوسرے اس لئے کہ اجلہ محدثین وائمہ فقہا نے اس استثنا کی دوسری نفیس توجیہیں ذکر کی ہیں، جن بزرگوں کی توجیہات میری نظر سے گذری ہیں ان میں سب سے اعلم واقدم امام طحاوی حنفی ہیں۔ انھوں نے اپنی بے نظیر کتاب مشکل الآثار میں اس کے لئے ایک مستقل باب باندھا ہے، اس میں اس حدیث کو نو طریقوں سے روایت کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں حضرت عباسؓ نے جو "الا الاذخر" کہا تھا اس سے ان کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اذخر کے باب میں اللہ کی طرف رجوع کریں، چنانچہ آپ نے رجوع کیا، اور وحی آئی جس کی بنا

پر آپ نے إلا الإذخر کہہ کر اذخر کا استثنا کر دیا، پھر فرمایا کہ اگر اس پر کوئی یہ شبہہ کرے کہ حضرت عباسؓ کے سوال اور آنحضرت ﷺ کے جواب میں کوئی وقفہ نہیں ہے، اتنی جلدی کیسے وحی آ گئی؟ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی لطیف قدرت سے اتنی جلد وحی کا آ جانا کچھ مستبعد نہیں (دیکھو ج۴ ص ۲۱۲-۲۱۳)

چونکہ امام طحاوی کی عبارت بہت طویل ہے، اس لئے میں بجائے اس کے مشکل الآثار کے مختصر المختصر یعنی المعتصر کی عبارت نقل کرتا ہوں لا وجه لإنكار مثل هذا من العباس لان علمه بحاجة اهل مكة الى الاذخر دعاه الى طلبه من رسول الله ﷺ مراجعة ربه في ذلك (الى) ثم جوابه ﷺ على فوره لمجيئي الوحي اليه على فوره و ان كنا لانعقل ولا ينكر مثله من لطيف قدرة الله تعالىٰ الا زنديق (المعتصر ص ۱۲۵-۱۲۶)

اس کے بعد امام طحاوی نے دوسری توجیہ یہ ذکر کی ہے کہ ممکن ہے حضرت جبریل اس وقت ساتھ ہوں اور ان کے القا سے آنحضرت ﷺ نے استثنا فرمایا ہو ويحتمل ان يكون كان ذالك من النبي ﷺ ما كان بالقاء جبريل ذالك اليه (مشکل الآثار ج۴ ص ۲۱۳)

اور المعتصر میں ہے: ويحتمل ان يكون جبريل معه فالقى ذالك اليه، علامہ ابو المحاسن دمشقی حنفی نے اس توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد المعتصر میں فرمایا کہ جبریل کی معیت کا احتمال صحیح احتمال ہے، لیکن اس احتمال کو درمیان میں لائے بغیر بھی کام چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی دائمی معیت تو بالیقین آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا وهو معكم اينما كنتم اور خود اللہ ہی نے آنحضرت

ﷺ کی نسبت یہ فرمایا وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحي یوحی اور وحی کا طریقہ ایک یہی نہیں ہے کہ فرشتہ وحی لائے بلکہ الہام خفی اور قلب میں القاء بھی اس کی صورتیں ہیں، اور آنحضرت ﷺ کو جو قرب وحضور بارگاہ احدیت میں حاصل ہے اس کے لحاظ سے کسی لحظ میں بھی جس میں اللہ وحی بھیجنا چاہے وحی کا آنا مستبعد نہیں ہے۔

امام طحاوی کے بعد قاضی ابو الولید باجی مالکی المتوفی ۴۷۴ھ کی توجیہ ہے، جس کو قاضی ابو المحاسن حنفی نے فی غایۃ الحسن یعنی نہایت عمدہ کہا ہے اور وہ یہ ہے کہ لا یختلی خلاھا (حرم مکہ کی گھاس نہ کاٹی جائے) کا حکم اذخر کو شامل ہی نہ تھا، بلکہ اذخر کو چھوڑ کر باقی گھاسوں کا یہ حکم تھا، یعنی لفظ خلا سے حضور کی مراد اذخر کے ماسوا دوسری ہی گھاسیں تھیں، اگر چہ لفظ عام تھا لیکن حضرت عباسؓ نے یہ سمجھا کہ سب گھاسیں مراد ہیں اس لئے انہوں نے الا الإذخر کہا تو چونکہ یہی آپ کا بھی مطلب تھا اس لئے آپ نے الا الاذخر کہہ کر یہ بتادیا کہ میری مراد یہی تھی، گو لفظ (خلا) میں نے عام استعمال کیا تھا مگر اس سے خاص مراد تھا، ان الخلا لفظ عام ارید به الخصوص وکان المراد ما عدا الا ذخر المحتاج الیه فلما کان ظاھره العموم قال له العباس الا الا ذخر فوافق بذٰلک مراده ﷺ بقوله لا یختلیٰ خلاھا فقال الا الا ذخر اعلاما منه انه ھو الذی کان المراد (المعتصر ص ۱۲۶)

ناچیز کہتا ہے کہ عام سے خاص مراد ہونے کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احصاء دشوار ہے، از انجملہ من دخله کان اٰمنا میں علماء احناف فرماتے ہیں کہ اٰمن الذات مراد ہے، از انجملہ والحل میتة میں فرماتے ہیں کہ خاص میتہ یعنی

مچھلی مراد ہے الی غیر ذلک

فائدہ اس مقام پر مختصر کے حاشیہ میں مذکور ہے فان اقواله لا تخلو عن احد الوجهين اما الاجتهاد او الوحي لا ثالث لهما یعنی آنحضرت ﷺ کے اقوال دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا اجتہاد سے ہوں یا وحی سے تیسری کوئی شکل نہیں، کچھوچھوی صاحب اس عبارت کو دیدۂ اعتبار سے دیکھیں، اور بتائیں کہ کیا یہ بھی کسی ''وہابی ملحد'' کی عبارت ہے؟

استثناء اذخر کی دوسری توجیہات بھی ذکر کی گئی ہیں مگر زیادہ تر امام طحاوی کی توجیہ کی تائید کی گئی ہے، چنانچہ علامہ ابن المنیر نے ساری توجیہات کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا: والحق ان سوال العباس كان على معنى الضراعة وترخيص النبی ﷺ كان تبليغا عن الله اما بطريق الالهام او بطريق الوحي ومن ادعى ان نزول الوحي يحتاج الى امد متسع فقد وهم (فتح الباری ج۴ ص ۳۶)

یعنی حق یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کا سوال باری تعالٰی سے التجا کے معنی میں تھا اور حضرت کا رخصت دینا حکم خداوندی کی تبلیغ تھی جو بطریق الہام یا بطریق وحی آیا تھا اور جو دعویٰ کرے کہ نزول وحی کے لئے وسیع وقت کی ضرورت ہے وہ غلطی پر ہے۔

شیخ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: وقوله ﷺ الا الا ذخر يجوز ان اوحى اليه تلك الساعة او من اجتهاده ﷺ یعنی جائز ہے کی اسی وقت وحی بھیج دی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا اجتہاد ہو، یعنی یہ حکم اجتہادی ہو۔ (عمدة القاری ج۴ ص ۱۸۰)

اسی طرح شیخ ابوالحسن سندی نے بھی حاشیہ نسائی میں اسی توجیہ کو مقدم رکھا ہے، اب سب سے آخر میں وہی حوالہ کیوں نہ پیش کردوں جس کے بعد بشرط حیاداری کسی کچھوچھوی یا بریلوی کو مجال دم زدن ہی باقی نہ رہے، سنئے حضرت شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

''چوں التماس کرد عباس استثنائے اذخررا از آں حضرت ﷺ، وحی آمد پس استثنا کرد فرمود الا الاذخر مگر اذخر کہ رواست قطع کردن، ودر مذہب بعضے آنست کہ احکام مفوض بود بوے ﷺ ہر چہ خواہ و ہر کہ خواہد حلال وحرام گرداند بعضے گویند باجتہاد گفت واول اصح واظہر است (ص ۱۷۹)

یعنی جب حضرت عباسؓ نے استثنائے اذخر کی درخواست کی تو جناب باری سے وحی آئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مگر اذخر کا کاٹنا روا ہے اور بعضوں کے مذہب میں یہ ہے کہ احکام آں حضرت ﷺ کے سپرد تھے جو چاہیں جس پر چاہیں حلال وحرام کردیں اور بعضے لکھتے ہیں کہ آپ نے اجتہاد سے کہا شیخ فرماتے ہیں:

کہ لیکن پہلا قول یعنی وحی سے استثناء کرنا اصح اور اظہر ہے، دیکھئے اور غور سے دیکھئے کہ شیخ نے استثناء کی توجیہ کے ساتھ مخالفین کے مسلک کا بھی رد کیا ہے۔ فالحمدللہ

حاصل کلام اینکہ ۱- علماء وائمہ مذاہب نے اس استثناء کے کئی محمل ذکر کئے ہیں، پس ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مخالفین کا مدعا اس استثنا سے کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے آپ سن چکے ہیں کہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**

(۲) یہ بات حیرت سے سنی جائے گی کہ ائمہ مذکورین جن میں حنفی بھی ہیں

شافعی اور مالکی بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی حدیث کا وہ مطلب اور استثناء کا وہ محمل ذکر نہیں کرتا جو ہمارے یہ ''سنی حنفی'' مخالف بیان کرتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کے قائل نہ تھے۔

(۳) استثنائے اذخر کے جو محمل ذکر کئے گئے ہیں ان میں سب سے قوی یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کے سوال کے بعد فوراً استثناء کی وحی نازل ہوگئی۔

۷۔ساتویں دلیل مخالفین یہ پیش کرتے ہیں کہ جب حج فرض ہوا اور آں حضرت ﷺ نے اس کی فرضیت کا اعلان کیا تو ایک صحابی نے پوچھا: **أفي كل عام يا رسول الله** کیا ہر سال حج فرض ہے، آپ نے فرمایا **لو قلت نعم لوجبت** یعنی اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا۔

اس دلیل کا جواب بجائے اس کے کہ ہم خود دیں حضرت ''شیخ محقق'' ہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں، حضرت ممدوح اس حدیث سے اختیار نبوی ثابت کرنے کو غلط قرار دیتے ہوئے ''لمعات'' میں فرماتے ہیں:

استدل بظاهره على ان الاحكام كانت مفوضة اليه ﷺ كما ذهب اليه بعضهم وتعقب بان القول اعم من ان يكون من تلقاء نفسه او بوحي نازل والدال على الاعم لا يدل على الاخص یعنی حدیث کے ظاہر سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ احکام حضور ﷺ کے سپرد تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور اس کا یوں رد کیا گیا ہے، کہ کہنا اپنی طرف سے کہنے، اور وحی کے ذریعہ کہنے، دونوں کو شامل ہے پس ان میں سے ایک پر تعیین کے ساتھ دلالت نہیں کرسکتا۔ اس جواب کی توضیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ''میں ہاں

کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا'' اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اپنے جی سے ہاں کہہ دیتا دوسرا یہ کہ وحی سے ہاں کہہ دیتا، مخالفین پہلے احتمال کی بنا پر استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دوسرے احتمال کی نفی نہ ہو اس لئے کہ تم کہو گے کہ اپنے جی سے ہاں کہنا مراد ہے مگر تمھارا مقابل کہے گا کہ وحی سے ہاں کہنا مراد ہے لہذا تمھارا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا قطبی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ دلیل اعم مدعائے اخص کو مستلزم نہیں ہوتی۔

نیز یہ جواب (یعنی بنا بر وحی کے ہاں کہنے کا احتمال) عمدۃ القاری شرح بخاری ا ص ۵۷۲ سے مستفاد ہوتا ہے۔

۸- آٹھویں دلیل مخالفین کی یہ ہے کہ ''بیسیوں واقعات میں آنحضرت ﷺ نے خاص خاص اشخاص کے لئے وہ چیز جائز قرار دی جو دوسرے تمام لوگوں کے لئے ناجائز تھی، جیسے حضرت ابو بردہؓ کے لئے چھ مہینے کی بکری کی قربانی جائز قرار دی اور فرمایا کہ تمھارے سوا کسی اور کی طرف سے چھ مہینے کی بکری کافی نہیں ہو سکتی، یا حضرت ام عطیہؓ کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی اجازت دی وغیرہ وغیرہ۔

مجھے افسوس سے پھر کہنا پڑتا ہے کہ یہ حضرات ذرا بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اگر وہ سمجھ سے تھوڑا سا بھی کام لیں تو ان واقعات سے استدلال کی جرأت نہ کریں، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرامؓ کو آنحضرت ﷺ نے ایسے احکام دیئے جو عام حکم سے مختلف تھے، لیکن ایسے احکام دینے سے آپ کا شریعت میں بااختیار ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ اولاً تو شریعت میں بااختیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو چاہیں بلا لحاظ کسی خاص مکلّف کی خصوصیت کے حرام کر دیں اور جس کو

چاہیں اسی طرح حلال کردیں اس لئے کہ تحریم وتحلیل اسی کو کہتے ہیں، اور یہ بات ان واقعات سے ثابت نہیں ہوتی، ان واقعات سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ استثنا یا تخصیص کہلاتی ہے۔ ثانیاً ان واقعات سے جس استثنا یا تخصیص کا ثبوت بھی ہوتا ہے اس کی نسبت بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے بلا نزول وحی کیا ہے، اور جب تک یہ تصریح نہ ہو یا یہی احتمال خارجی قرائن ودلائل سے متعین نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کا مطلوب ثابت نہیں ہوسکتا۔ آپ کو بار بار یاد دلایا جا چکا کہ مختلف احتمالات کی موجودگی میں یہ استدلال درست نہیں ہوسکتا، ابھی ابھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جن کے کلام سے آپ حضرات صدہا استناد کرتے ہیں اور خود التحقیق البارع ص ۷ میں بھی ان کے قول سے سند لی گئی ہے) کا قول پیش کیا جا چکا ہے کہ دلیل اعم مدعائے اخص کو مستلزم اور اس کی مثبت نہیں ہوتی، اور جو واقعات آپ نے پیش کئے ہیں ان میں آپ کا پیدا کیا ہوا احتمال متعین نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ قوی اور متعدد شواہد ونظائر سے موید احتمال یہ ہے کہ ان واقعات میں جن استثناؤں یا تخصیصوں کا ذکر ہے وہ سب بوحی الٰہی ہوں اور آنحضرت ﷺ صرف اسی وحی کے مبلغ ہوں، اپنی طرف سے کہنے والے نہ ہوں، کیا ہمارے مخالفین اپنی متفقہ طاقت صرف کرنے کے بعد بھی اس احتمال کو ناممکن ومنتفی ثابت کرسکتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ان کے استدلال کے غلط ہونے میں کیا شبہہ؟ میں نے جو احتمال ذکر کیا ہے وہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ آیت وما ینطق عن الھویٰ اور حدیث انما انا قاسم واللہ یعطی کی بنا پر یہی احتمال صواب وحق اور اس کے خلاف ناصواب وناحق ہے جیسا کہ استثناء اذخر کے باب میں حضرت شیخ عبد

الحق محدث دہلوی وغیرہ نے فرمایا ہے۔

یہ تو برسبیل تسلیم ان تمام واقعات کا ایک اجمالی جواب تھا، لیکن اگر ان واقعات پر تفصیلی بحث کی جائے تو مخالفین کے استدلال کا بطلان اوران واقعات کا ان کے مدعا سے بالکل بے تعلق ہونا واضح سے واضح تر ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ان کی ''محدثیت'' و''فقاہت'' بھی بے پردہ ہوجاتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب نہیں تو بعض واقعات پر قدرے تفصیلی نگاہ بھی ڈالی جائے۔

(۱) ناظرین کو یاد ہوگا کہ ان واقعات میں ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نوحہ سب کے لئے حرام تھا لیکن آں حضرت ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ کے لئے ایک جگہ نوحہ کرنے کی اجازت دے دی، اوراس کے بعد نووی کا یہ قول نقل کردیا جاتا ہے کہ شارع کو اختیار ہے کہ جس حکم کے ساتھ جس کو چاہیں خاص کردیں، لیکن یہ سب باتیں خلاف تحقیق ہیں۔ اولاً اسی میں کلام ہے کہ یہ حضرت ام عطیہ کی خصوصیت تھی حالانکہ بعض اور بیبیوں کے لئے نوحہ کی اجازت منقول ہے جس کی تفصیل فتح الباری ج۸ص۴۵۱ اور زرقانی شرح مواہب ج۵ص۳۲۵ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ثانیاً جس اشکال کو دفع کرنے کے لئے خصوصیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ حضرت ام عطیہ کے لئے خصوصیت مان لینے سے دفع نہیں ہوسکتا، جب تک کہ یہ دعویٰ بھی نہ کیا جائے کہ جس خاندان میں حضرت ام عطیہ نوحہ کرنے گئی تھیں وہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، یا محض بلادلیل یہ دعویٰ کردیا جائے کہ اس خاندان کو بھی نوحہ کی اجازت تھی، حافظ ابن حجر نے نووی کا کلام نقل کرکے یہی اعتراضات کئے ہیں، نیز زرقانی کی نقل کے مطابق قسطلانیؒ نے بھی امام نووی پر اعتراض کیا ہے اوران کی توجیہ اجازت نوحہ کو ناقابل

قبول قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے: والظاهر ان النياحة كانت مباحة ثم كرهت كراهة تنزيه ثم تحريم فيكون الاذن لمن ذكرن وقع لبيان الجواز مع الكراهة ثم لما تمت مبايعة النساء وقع التحريم فورد حينئذ الوعيد الشديد (زرقانی ج۵ ص۳۲۲) اور بعینہ یہی بات حافظ ابن حجر نے بھی لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے "ظاہر یہ ہے کہ نوحہ پہلے مباح تھا پھر مکروہ تنزیہی ہوا پھر مکروہ تحریمی ہوا، لہذا جن عورتوں کے لئے نوحہ کی اجازت منقول ہوئی ہے وہ کراہت تنزیہی کے وقت ہوگی اس بات کو بتانے کے لئے کہ نوحہ جائز مع الکراہۃ ہے پھر عورتوں کی بیعت تمام ہوگئی تو نوحہ حرام کر دیا گیا اور اس پر سخت وعید وارد ہوئی"۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت ام عطیہ یا دوسری بیبیوں کو جب نوحہ کی اجازت ہوئی تھی اس وقت نوحہ حرام ہی نہیں تھا، بلکہ جائز مع الکراہۃ تھا، اور اس اجازت میں ان کی کوئی خصوصیت نہ تھی بلکہ سب کے حق میں جائز مع الکراہۃ تھا، لہذا خصوصیت کا دعویٰ بے تحقیق اور اس سے شریعت میں اختیار نبوی ثابت کرنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

جو بات زرقانی، قسطلانی اور ابن حجر نے لکھی ہے وہی شیخ بدر الدین عینی نے بھی عمدۃ القاری ج۹ ص۲۰۹ میں لکھی ہے، بلکہ اس کو بہترین جواب اور سب سے زیادہ قرین صواب کہا ہے فرماتے ہیں:

والجواب الذى هو أحسن الاجوبة و أقربها أن يقال إن النهي ورد أولا للتنزيه ثم لما تمت مبايعة النساء وقع التحريم و ورد الوعيد الشديد في أحاديث كثيرة

(۲) ایک واقعہ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک صحابیہ کو احرام میں شرط لگا لینا جائز فرما دیا، کہ جب اثنائے حج میں معذور ہو جانا تو احرام سے نکل جانا، حالانکہ یہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے۔ معلوم نہیں پھوپھوی صاحب کے نزدیک کون سی چیز دوسرے کسی کے لئے جائز نہیں ہے، شرط لگانا، یا احرام سے نکل جانا، اگر پہلی بات ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ فقہائے احناف نے شرط لگانے کو ناجائز نہیں لکھا ہے صرف غیر مفید کہا ہے، شامی وغیرہ میں آپ کو یہ عبارت مل سکتی ہے: ولا یفید شرط الاحلال عندالاحرام شیئا بلکہ بعض فقہا کی نقل کے مطابق تو امام محمدؒ کے نزدیک شرط لگانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہے، اور وہ فائدہ یہ ہے کہ بغیر ہدی ذبح کئے ہوئے احرام سے نکل سکتا ہے، دیکھو شامی وغیرہ، پس شرط لگانے کو دوسروں کے لئے مطلقاً ناجائز لکھنا اپنے مذہب سے جہالت ہے، اور اگر احرام سے باہر نکلنے کو ناجائز کہتے ہوں تو یہ اور زیادہ ناواقفیت ہے، جن صحابیہ کو یہ اجازت مرحمت ہوئی تھی وہ مریض تھیں اور مذہب احناف کی رو سے ہر مریض کیلئے جب کہ مرض مانع بن جائے اور احصار متحقق ہو جائے اس طریقہ سے احرام سے نکلنا جائز ہے جو عام طور پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اور اگر کہئے کہ حدیث سے بلا ذبح ہدی احرام سے نکلنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی ان صحابیہ کے ساتھ خاص تھا اور دوسروں کے لئے ناجائز ہے، تو میں عرض کروں گا کہ یہ بھی اپنے اکابر مذہب کی تحقیقات سے بے خبری پر مبنی ہے، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ پہلے یہی حکم تھا جو ان صحابیہ کے لئے اس حدیث میں مذکور ہے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، امام موصوف

کی اس تحقیق کی بنا پر دعوے خصوصیت صحیح نہیں رہتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب یہ حکم ان کو ہوا تھا اس وقت سب کے لئے یہی حکم تھا، اس بحث کے لئے المعتصر ص ۱۱۹ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۴) اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے صرف امیر المومنین حضرت علیؓ کو اجازت دی کہ اپنے بیٹے کا نام اور کنیت وہ رکھیں جو حضور کا نام اور کنیت ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جو لوگ اپنے کو سنی حنفی کہتے ہیں وہ مذکورہ بالا مسئلہ کو حضرت علیؓ کی خصوصیات میں کس طرح شمار کرتے ہیں، جب کہ فقہ حنفی کی مشہور متداول کتاب درمختار میں بصراحت مذکور ہے: ومن کان اسمه محمدا لا باس بأن يكني أبا القاسم لأن قوله عليه السلام سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي قد نسخ لأن علياً کنی ابنه محمد ابن الحنفية أبا القاسم یعنی جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابو القاسم رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ جس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ میرا نام رکھو میری کنیت نہ رکھو وہ منسوخ ہوگئی ہے، دلیل نسخ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے محمد ابن الحنفیہ کی کنیت (باجازت نبویؐ) ابو القاسم رکھی۔

اور علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا: وهو مذهب الجمهور یعنی جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (ج ۵ ص ۴۲۷)

اور امام قاضی عیاض نے پھر زرقانی نے کہا: وبه قال أكثر العلماء اکثر علماء اسی کے قائل ہیں (زرقانی ۵ ص ۳۰۳) اور دعوی خصوصیت کی نسبت لکھا:

ودعوی انه خص به علیا لا دلیل علیها اذ اباح لغیرہ ذلک ایضاً یعنی حضرت علیؓ کی خصوصیت کا دعویٰ بے دلیل ہے کیوں کہ ان کے علاوہ اوروں کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔

امام اجل ابوجعفر طحاوی حنفی نے دعوی خصوصیت کا یوں ابطال کیا ہے: **و الدلیل علی انه خلاف ذالک انه قد کان في زمن أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جماعة کانوا مسمین بمحمد و مکتنین بأبي القاسم، منهم: محمد بن طلحه ومحمد بن الاشعث و محمد بن ابي حذیفة فلو کان ما امربه النبي صلی اللہ علیہ وسلم في الحدیث الاول خاصا اذاً لما سوغه غیره و لأنکره علی فاعله وأنکره معه من کان بحضرته من أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم**

یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ خاص نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانے میں ایک جماعت ایسی تھی جن کے نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی جیسے محمد بن طلحہ اور محمد بن الاشعث اور محمد بن ابی حذیفہ پس اگر یہ حکم حضرت علیؓ کے ساتھ خاص ہوتا تو دوسرے صحابہ اس کو اپنے حق میں جائز نہ رکھتے، بلکہ ایسا کرنے والے پر معترض ہوتے اور دوسرے صحابہ جو موجود ہوتے وہ بھی معترض ہوتے ۔

اس کے بعد جس روایت سے خصوصیت پر استدلال کیا جاتا ہے اس کی نسبت لکھا ہے کہ **لیس بثابت عندنا** کہ یہ روایت ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے امام طحاوی کی عبارت مذکورہ کا ایک جزو نقل کرنے

کے بعد لکھا ہے، مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ مشاہیر صحابہ کے جن لڑکوں کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی ان میں یہ حضرات بھی ہیں محمد بن جعفر بن ابی طالب، محمد بن سعد ابن ابی وقاص، محمد بن حاطب اور محمد بن المنتشر۔

محدثین وفقہائے احناف کی یہ تصریحات پیش کرنے کے بعد اگر میں یہ عرض کروں تو کچھوچھوی صاحب کو بجائے خفا ہونے کے ندامت سے سر جھکا نا لینا چاہئے، کہ اپنے سوا ساری دنیا کو ''وہابی'' اور صرف اپنے کو ''سنی حنفی'' کہہ دینے سے کوئی حنفی نہیں ہو جاتا، اور چند سنی سنائی روایات نقل کر دینے سے محدث نہیں بن جاتا

یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار

اگر آپ سنے سنائے حوالے نقل کرنے کے عادی نہیں ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ حدیث مذکور کے لئے طحاوی کا حوالہ دیتے ہیں اور طحاوی کی تصریحات منقولہ بالا آپ کی نظر سے نہیں گذرتیں۔

(۴) ایک واقعہ یہ نقل کیا جاتا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو بغیر حاضری جہاد مال غنیمت کا مستحق قرار دے دیا اور عطا بھی فرمایا''

اس واقعہ کو بھی خصائص میں شمار کرنا اساطین فقہ حنفی کے اقوال سے سراسر بے خبری ہے، ہمارے علماء احناف نے تو اسی واقعہ کو دلیل قرار دیا ہے اس بات کی کہ جو شخص جہاد کا ارادہ رکھتا ہو لیکن امام (یا امیر لشکر) اس کو مسلمانوں کے کسی دوسرے کام پر لگا دے جس کی وجہ سے وہ شریک جہاد نہ ہو سکے تو مال غنیمت میں اس کا بھی حصہ ہے، امام اجل حافظ ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں:

أفلا ترى أن رسول الله ﷺ قد ضرب لعثمان في غنائم بدر

بسهم ولم يحضرها لأنه كان غائبا في حاجة الله وحاجة رسوله فجعله رسول الله ﷺ كمن حضرها فكذلک كل من غاب عن وقعة المسلمين بأهل الحرب بشغل يشغله به الإمام من أمور المسلمين.

یعنی تم دیکھتے نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کو بھی غنائم بدر سے حصہ دیا حالانکہ وہ حاضر نہ تھے اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے کام میں تھے لہذا آپ نے ان کو بھی مثل حاضر کے قرار دیا، ایسے ہی جو مسلمان امام کے حکم سے مسلمانوں کے کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو وہ حاضر سمجھا جائے گا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: وذهب ابوحنيفة إلى أن الجيش اذا فصلوا من دار الاسلام مدداً لجيش آخر فوافوهم بعد الفتح انهم يشركون معهم في الغنيمة واحتج بما قسم النبي ﷺ للأشعريين لما قدموا مع جعفر من خيبر وبما قسم النبي ﷺ لمن لم يحضر الوقعة كعثمان في بدر ونحو ذلک.

یعنی امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی فوج دارالاسلام سے کسی دوسرے لشکر کی مدد کے لئے روانہ ہو جائے اور فتح کے بعد اس کے پاس پہنچے تو وہ غنیمت میں شریک ہوگی، امام اعظمؒ نے اپنے مذہب کی دلیل اس کو بنایا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اشعریوں کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا (حالانکہ وہ فتح کے بعد پہنچے تھے) اوران لوگوں کو حصے دئے جو لڑائی میں حاضر نہ تھے جیسے حضرت عثمانؓ کو جنگ بدر میں۔"

تعجب ہے کہ شافعیہ تک تو اس بات کو جانتے ہیں کہ احناف کے نزدیک یہ

واقعہ حضرت عثمانؓ کے خصائص میں سے نہیں ہے، لیکن ایک حنفی اور ایسا حنفی جو اپنے مخالف مسلک احناف کو "وہابی" کہتا ہے، اتنی بھی خبر نہیں رکھتا۔ فیا للعجب!

(۵) اس سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنی رعایا سے تحفہ لینا جو سب کے لئے حرام ہے حلال فرمادیا" (تحقیق بارع ص ۹) یہ جہالت اور اس پر یہ جرأت خدا کی پناہ!

اولاً تو اس کے لئے کچھوچھوی صاحب نے کتاب الفتوح کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ یہ بات کہ حضرت معاذؓ کے لئے باجازت نبویؐ ہدیہ لینے کا حکم تھا، ترمذی جیسی مشہور ومتداول کتاب میں موجود ہے، اور وہی صحیح صورت واقعہ ہے، لیکن کچھوچھوی صاحب کو اس کا پتہ نہیں، اور یہی ایک چیز ان کی "محدثیت" کی کافی دلیل ہے۔

ثانیاً اپنی رعایا سے تحفہ لینے کو علی الاطلاق حرام لکھ دینا کھلی ہوئی جہالت ہے، ائمہ حنفیہ وشافعیہ نے تصریح کی ہے کہ امام وسلطان اسلام کی اجازت سے عامل کو تحفہ لینا جائز ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: إن ما أهدى الى العمال وخدمة السلطان بسبب السلطنة انه لبيت المال إلا أن الإمام إذا أباح له قبول الهدية لنفسه فهو يطيب له (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۴۰۷)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وفي الحديث ان هدايا العمال يجب أن تجعل في بيت المال وانه ليس لهم منها شيء إلا أن يستاذنوا الإمام في ذلک (ج ۶ ص ۲۸۵)

اور حافظ ابن حجر شافعی لکھتے ہیں: ومنع العمال من قبول الهدية ممن

لـه عليه حكم و تقدم تفصيل ذلک في ترک الحل ومحل ذلک إذا لم ياذن له الإمام في ذلک (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۵)

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت علیہ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا: لاتصيبن شيئاً بغير إذني فانه غلول (ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ و فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۵) یعنی میری اجازت کے بدون کچھ نہ لینا کہ یہ خیانت ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت علیہ نے حضرت معاذؓ کو خطاب فرما کر ایک عام حکم بیان کیا ہے کہ میری اجازت کے بغیر عامل کو ہدیہ لینا ناجائز (خیانت) ہے اور اجازت سے جائز۔ اس میں حضرت معاذ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

پس جب ہر عامل کے لئے تحفہ لینا با جازت امام جائز ٹھہرا تو واقعہ مذکور کو خصوصیات معاذؓ میں شمار کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اس سے مخالفین کے مدعا پر استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے؟

فائدہ | کچھوچھوی صاحب نے جس انداز سے حضرت معاذؓ کا واقعہ بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روایت میں کچھ ایسے الفاظ ہیں جن سے صرف حضرت معاذؓ کے حق میں جواز اور دوسروں کے حق میں عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ علامہ عینی نے تو اسی واقعہ سے سب کے حق میں باجازت امام تحفہ لینے کا جواز ثابت کیا ہے چنانچہ وہ عبارت منقولہ بالا کے بعد لکھتے ہیں:

كما قال علیہ لمعاذ حين بعثه الى اليمن قد علمت الذي دار عليک في مالک وإني قد طيبت لک الهدية فقبلها معاذؓ وأتى بما

أهدي اليه رسول الله ﷺ فوجده قد توفي فاخبر بذلک الصديق رضي الله عنه فأجازه

یعنی جب امام قبول ہدیہ کو عامل کے لئے مباح کردے تو اس کے لئے حلال ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ تمھارے مال پر جو گردش آئی ہے میں جانتا ہوں اور میں تمھارے لئے قبول ہدیہ کی اجازت دیتا ہوں، چنانچہ معاذؓ نے تحفے قبول کئے اور واپسی کے وقت سب ساتھ لائے مگر آنحضرت ﷺ کی وفات ہوچکی تھی اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ کو اس سے آگاہ کیا، حضرت صدیقؓ نے اس کو جائز رکھا۔

دیکھئے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے دوسروں کے حق میں باجازت بھی حرام وناجائز ہونا مفہوم ہوتا ہو۔

(۶) ایک یہ واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کے لئے روزہ کا کفارہ یوں جائز فرمایا کہ اپنے پاس سے ان کو سوا دومن کھجوریں عطا فرمائیں اور فرمایا کہ خود کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ تمھارا کفارہ ادا ہوگیا۔"

یہ استدلال کچھوچھوی صاحب کے "محدثانہ" کمالات کا آئینہ دار ہے، اولاً: تو حدیث کا ایسا اختصار کیا کہ ہر شخص دھوکے میں پڑ جائے، کچھوچھوی صاحب نے یہ بتایا ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان صحابی سے یہ فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو، جب انھوں نے معذوری ظاہر کی کہ میرے پاس غلام نہیں ہے تو یہ فرمایا کہ ساٹھ روزے رکھو، جب اس سے بھی انھوں نے اپنی واقعی معذوری ظاہر کی تو فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو، انھوں نے کہا مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں ہے تو آنحضرت ﷺ

نے فرمایا اچھا بیٹھو! اتنے میں کوئی شخص پندرہ صاع کھجوریں لایا آنحضرت ﷺ نے وہی کھجوریں ان صحابی کو دیں کہ ان کو صدقہ کر دو، انھوں نے کہا کہ حضرت مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے تب حضرت نے فرمایا اپنے گھر کے لوگوں کو کھلا دو۔

یہ تفصیل جس کے سامنے رکھ دیجئے وہ بول اٹھے گا کہ ان صحابی پر کفارہ واجب نہ تھا پس ممکن ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

ثانیاً: کچھوچھوی صاحب نے اس حدیث کا آخری جزو یہ نقل کیا ہے کہ "تمھارا کفارہ ادا ہو گیا" اور بلا کسی تفصیل کے حدیث کے لئے صحاح ستہ، مسند بزار اور معجم طبرانی کا حوالہ دیا ہے، جس سے ہر ناظر یہ سمجھے گا کہ یہ اخیر فقرہ بھی ان کتابوں میں مذکور ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، مذکورہ بالا کتابوں میں سے ایک میں بھی یہ فقرہ موجود نہیں ہے مگر کچھوچھوی صاحب کی دیانت دیکھئے کہ اس کو ظاہر نہیں کرتے، یا جناب کو خود ہی خبر نہیں ہے اور جس کا سارا سرمایہ "مجدد البدعات" کی "الامن والعلی" ہو، اس سے یہ بے خبری قطعاً قابل تعجب نہیں۔

ثالثاً: کچھوچھوی صاحب نے پوری حدیث کی روایت کی نسبت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف کی ہے۔ حالانکہ ان حضرات میں سے کسی کی روایت میں یہ فقرہ نہیں ہے، کہ "تمھارا کفارہ ادا ہو گیا" ہاں صرف حضرت علیؓ کی روایت میں فقد کفر اللہ عنک وارد ہوا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۴ ص ۱۳۴ میں اس کو ضعیف اور ناقابل استدلال قرار دیا ہے، نیز التلخیص الحبیر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ علاوہ بریں ان الفاظ سے بھی

کچھوچھوی صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ان الفاظ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کفارہ کو ساقط کر دیا اور کچھوچھوی صاحب کا مدعا اس وقت ثابت ہوتا جب حدیث میں یہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اختیار سے کفارہ کو ساقط کر دیا، اور یہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس حدیث سے تو اور ہماری تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفارہ کے لازم کرنے یا ساقط کرنے کا اختیار خدائے تعالیٰ کو ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ صحابی ہر چیز سے اپنی معذوری ظاہر کر چکے تو آپ نے فرمایا کہ ''اچھا بیٹھو'' علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ممکن ہے بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا ہو کہ دیکھیں ان کے حق میں کیا وحی آتی ہے۔ یحتمل ان یکون سبب امره بالجلوس لانتظار مایوحیٰ الیه في حقه (عمدہ ج۵ ص۳۵۳ و فتح ج۴ ص۱۲۰)

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اگر ہم فقد كفر الله عنك کی زیادتی کو ضعیف نہ مانیں اور ان صحابی کی خصوصیت کے طور پر سقوط کفارہ کے قائل بھی ہو جائیں، جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کہا ہے تب بھی مخالفین کا مدعا یعنی شریعت میں اختیار نبوی کا ثبوت لازم نہیں آتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا اختیار ثابت ہوتا ہے، اور اسی کے اختیار سے ان صحابی کے حق میں کفارہ کا سقوط لازم آتا ہے، اور یہیں سے یہ بھی منکشف ہو جاتا ہے کہ احادیث میں جن جن صحابیوں کیلئے جو جو خاص احکام وارد ہوئے وہ سب بحکم الٰہی و بوحی خداوندی ہیں نہ محض باختیاری نبویؐ، بلکہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت عالیہ ان احکام میں بھی مبلغ و رسول خداوندی ہی کی حیثیت ہے۔

رابعاً: کچھوچھوی صاحب نے یہ مانا ہے کہ ان صحابی سے کفارہ ساقط ہو گیا

اور یہ ان صحابی کی خصوصیت ہے، حالانکہ بہتیرے علماء اسلام کو اس میں کلام ہے، چنانچہ حافظ تقی الدین بن دقیق العید، امام نووی، حافظ ابن حجر اور سب سے بڑھ کر شمس الائمہ سرخسی صاحب مبسوط وغیرہم اس کے قائل ہیں کہ ان صحابی سے کفارہ ساقط نہیں ہوا، بلکہ ان کی ناداری کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کھاؤ اور گھر والوں کو کھلاؤ اور مراد یہ تھی کہ جب قدرت ہو اس وقت کفارہ دے دینا (دیکھو عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۴۷ و فتح الباری ج ۴ ص ۱۲۳ و نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۵۴) یہاں پر بخیال اختصار صرف نووی کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

وانما أذن له في اطعام عياله لانه كان محتاجا ومضطرا الىٰ الانفاق علىٰ عياله في الحال والكفارة على التراخي فأذن له في اكله واطعام عياله وبقيت الكفارة في ذمته وانما لم يبين له بقاء ها في ذمته لأن تاخير البيان الىٰ وقت الحاجة جائز عند جماهير الاصوليين وهذا هو الصواب في معنى الحديث

یعنی آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو خود کھانے اور گھر والوں کو کھلانے کی اجازت اس واسطے دی کہ وہ اپنے عیال کو کھلانے پر فی الحال مجبور تھے اور کفارہ فوراً واجب نہ تھا لہذا کھلانے کی اجازت دے دی اور کفارہ ان کے ذمہ باقی رہا اور باقی رہنے کو آنحضرت ﷺ نے اس وقت اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وقت ضرورت تک بیان میں تاخیر اکثر اصولیوں کے نزدیک جائز ہے حدیث کی یہی درست مراد ہے۔

(۷) ایک واقعہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے حضرت براء ابن عازبؓ کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی" یہ واقعہ ابن ابی شیبہؒ نے بسند صحیح

ابوالسفر سے روایت کیا ہے۔(تحقیق بارع ص ۸)

میں کچھوچھوی صاحب کو چیلنج دیتا ہوں کہ اس روایت کو ابن ابی شیبہ میں ابوالسفر کی روایت سے ثابت کر دیں تو ان کو منھ مانگا انعام دیا جائے گا، اگر ان کو خبر نہ ہو کہ ابن ابی شیبہ کے نسخے ہندوستان میں کہاں کہاں ہیں تو ان کو یہ بھی بتایا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ "محدث" کچھوچھوی صاحب کو "اختلاط" (محدثین کی اصطلاح میں راوی کا ایک عیب ہے) ہوگیا ہے، ابن ابی شیبہ میں ابوالسفر کی روایت سے صرف اتنا مذکور ہے کہ میں نے (ابوالسفر نے) حضرت براءؓ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، باقی یہ کہ حضرت براء کو آنحضرت ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہنائی تو یہ ابن ابی شیبہ میں بروایت ابوالسفر نہیں ہے بلکہ مسند احمد میں بروایت محمد بن مالک ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فاخرج ابن ابي شيبه بسند صحيح عن ابي السفر قال رأيت على البراء خاتما من ذهب(الى قوله) واخرج احمد من طريق محمد ابن مالك قال رايت على البراء خاتما من ذهب فقال قسم رسول الله ﷺ قسما فالبسنيه فقال البس ماكساك الله و رسوله(ج١٠ص ٢٢٦)(١)

(١) ابن ابی شیبہ نے ابوالسفر سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ میں نے براء کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔۔۔اس کے کچھ بعد حافظ فرماتے ہیں۔۔۔اور امام احمد نے ابن مالک کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے براء کے پاس سونے کی انگوٹھی دیکھی۔۔۔اور انھوں نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم فرمایا، پس یہ انگوٹھی مجھے پہنائی اور ارشاد فرمایا کہ جو چیز تم کو خدا اور اس کے رسول نے پہنائی اس کو پہنو۔۱۲

ناچیز کہتا ہے کہ امام ابو جعفر طحاوی حنفیؒ نے ابوالسفر اور محمد بن مالکؒ دونوں کی روایتیں اپنی سند سے شرح معانی الآثار میں ذکر کی ہیں، اس میں بھی ابوالسفر کی روایت کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو ابن حجر نے ابن ابی شیبہؒ سے نقل کئے ہیں، حاصل کلام یہ کہ کچھوچھوی صاحب نے جس مضمون کے لئے ابن ابی شیبہ بروایت ابوالسفر کا حوالہ دیا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور یہ ان کی محدثیت پر نہایت بدنما داغ ہے۔

اب رہی محمد بن مالک کی روایت تو وہ خود حضرت براء بن عازبؓ کی دوسری متفق علیہ حدیث کی معارض ہے، اور اس کے مقابلے میں ناقابل استدلال، جیسا کہ امام طحاوی، زین عراقی پھر علامہ عینی نے لکھا ہے اور حازمی نے اسنادہ لیس بذاک کہا ہے بلکہ امام طحاوی و حازمی نے تو اس کو منسوخ کہا ہے پس اس صورت میں خصوصیت کا دعویٰ ہی غلط ہوجائے گا۔ اس پر کوئی شبہہ کرے کہ حضرت براءؓ کو جو اجازت ملی تھی اگر وہ خود انھیں کی روایت کردہ حدیث نہی سے منسوخ ہوگئی ہوتی تو بعد وفات نبویؐ وہ کیوں پہنتے، تو اس کا جواب ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ انھوں نے ممانعت والی حدیث سے حرمت نہیں بلکہ صرف کراہت تنزیہ سمجھی ہو۔ ناچیز کہتا ہے کہ لیکن یہ صرف حضرت براءؓ کا اجتہاد ہوگا جو ان احادیث کے مقابلہ میں حجت و قابل عمل نہ ہوگا جو حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ حضرت عقبہ بن عامرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایتوں سے مروی ہیں، جن میں سونے کو مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے، اور کہا جائے گا کہ حضرت براءؓ اپنے اجتہاد میں معذور ہیں، اس لئے کہ انھوں نے صریح لفظ حرام نہ سنا ہوگا۔

بہرحال محمد بن مالک کی حدیث میں خصوصیت کا احتمال متعین نہیں ہے بلکہ

ائمہ وعلماء نے اس کا دوسرا محمل بھی ذکر کیا ہے، لیکن اگر کوئی احتمال خصوصیت ہی کو ترجیح دے جیسا کہ بعض شراح حدیث نے کیا ہے، تو بھی مخالفین کا مدعا اس حدیث سے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ حضرت براءؓ کو اس اباحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خاص کیا تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے (بشرطیکہ حدیث صحیح وثابت ہو) ظاہر ہوتا ہے، **البس ماکساک اللہ و رسولہ** یعنی پہنو جو تم کو اللہ اور اس کا رسول پہناتا ہے، ان الفاظ میں آپ نے کھول دیا کہ یہ اجازت واباحت بوحی الٰہی ہے اور میں اس کا مبلغ ہوں اور پہناتا اللہ ہے مگر میرے ہاتھ سے۔

پس اس حدیث میں اختیار نبوی منہیں بلکہ اختیار خدا ثابت ہوتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ خصائص میں بھی آنحضرت ﷺ وحی الٰہی کی پیروی کرتے تھے اور یہ تخصیص خداوندی ہی کسی کو کسی حکم کے ساتھ مخصوص فرماتے تھے۔ اور پھر دوسرے نصوص سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ بکرّات ومرّات گذر چکا۔

(۸) اس ضمن میں ایک واقعہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ "ایک بار حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو عدت وفات شوہر کا سوگ آنحضرت ﷺ نے معاف فرمادیا یعنی چار مہینے دس دن کے سوگ کی بجائے جو واجب ہے ان کے لئے صرف تین دن کا سوگ رکھا۔ یہ واقعہ طبقات ابن سعد میں ہے"۔ (تحقیق بارع ص ۷)

سبحان اللہ کیا علم ہے اور کیا دیانت! کیا میں کچھوچھوی صاحب سے یہ توقع رکھوں کہ وہ طبقات ابن سعد کے وہ الفاظ نقل کرنے کی جرأت کریں گے جن کے معنی یہ ہوں کہ "آں حضرت ﷺ نے معاف کردیا" آخر اپنی خانہ ساز "محدثیت" کو اس بری طرح رسوائے عالم کرنے میں آپ نے کیا فائدہ سوچ رکھا ہے؟۔۔۔۔۔ سنئے

جنابِ ''محدث''! سوگ کے معاف کرنے کا ذکر کسی حدیث میں بھی نہیں، اور آپ نے جس حدیث کو اپنے تصرف بیجا کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ تین لفظوں کے ساتھ مروی ہے:

(۱) لاتحدي بعد يومک هذا (۲) تسلبي ثلاثا ثم اصنعي ماشئت (۳) البسي ثوب الحداد ثلاثا ثم اصنعي ماشئت'' اور یہ تینوں لفظ مسند احمد میں مروی ہیں دیکھو مسند احمد ۶ ج ۳۶۹ فتح الباری ۹ ص ۳۹۴ مسند احمد ۶ ص ۴۳۸، نیز دوسرا لفظ شرح معانی الآثار ۲ ص ۴۴ میں اور پہلا نیز دوسرا ابن حبان میں بھی ہے دیکھو فتح ج ۹ ص ۳۹۳، اگر پھوچھوی صاحب کا منتہائے پرواز ان کے ''اعلیٰ حضرت'' کا رسالہ ''الامن والعلیٰ'' نہ ہوتا تو وہ ایک ایسی حدیث کے لئے جو مسند احمد و شرح معانی الآثار میں موجود ہے فقط طبقات ابن سعد کا حوالہ نہ دیتے۔

بہر حال حدیث کے الفاظ مذکورہ بالا میں سوگ کے معاف کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ حضرت اسماء کی خصوصیت کی طرف کوئی اشارہ ہے اور نہ خصوصیت تسلیم کرنے کے لئے کوئی مجبوری ہے بلکہ حنفیہ کے جلیل القدر امام فقہ وحدیث حافظ ابو جعفر طحاوی نے تو اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے عدت والی عورت پر اس کی پوری عدت میں سوگ کا حکم ہی نہ تھا بلکہ اس کے ایک جزو میں تھا، پھر یہ منسوخ ہو گیا اور حکم ہو گیا کہ چار مہینے دس دن سوگ کیا کرے ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ففي هذا الحديث ان الإحداد لم يكن على المعتدة في كل عدتها وانما كان في وقت منها خاص ثم نسخ ذلک وامرت بان تحد عليه اربعة اشهر وعشراً (۲ ص ۴۴)

پس جب پہلے یہ حکم ہی تھا تو خصوصیت ومعافی کا دعویٰ باطل ہوگیا، اس کے علاوہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے دوسرے محمل بھی ذکر کئے ہیں جن میں خصوصیت کے محمل کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے، پس اگر ہوتا بھی تو دوسرے محامل کی موجودگی میں اس کی بنا پر مخالفین کا استدلال حدیث سے صحیح نہیں ہوسکتا تھا، اس بحث کے لئے دیکھو فتح الباری ج۹ص ۳۹۴

یہ چند واقعات جو آپ کے سامنے لائے گئے اسی طرح کے کچھ اور واقعات بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں جن میں بعض خاص اشخاص کے ساتھ بعض احکام کی خصوصیت کا ذکر ہے، لیکن یہ واقعات مخالفین کے لئے کچھ مفید نہیں ہیں۔ اولاً تو کسی حکم کے ساتھ خاص کرنا خود حکم اصولی نہیں ہے، حلال یا حرام کرنا نہیں ہے، بلکہ کسی حرام یا حلال کو کسی خاص ہی شخص کے حق میں حرام یا حلال قرار دینا ہے اور اس وقت بحث اس میں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تخصیص کا اختیار ہے یا نہیں، یہ دو الگ الگ بحثیں ہیں، اور اس کا اختیار ثابت ہونے سے اس کا اختیار ثابت نہیں ہوسکتا۔ ثانیاً یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اختیار سے کی ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ تخصیص بھی بذریعہ وحی ہوئی ہو، چنانچہ سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۲ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ "ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کرلیا ہے، کیا میرے لئے توبہ ہے آپ نے پوچھا تمھاری ماں زندہ ہے انھوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تمھارے کوئی خالہ ہے؟ انھوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نیک سلوک کرو"...... چونکہ دوسرے دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے توبہ واستغفار کی ضرورت ہے، اس

لئے علامہ طیبی شارح مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی جس کو آں حضرت ﷺ نے بذریعہ وحی جانا ہوگا۔ ان کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں:

وکان مخصوصاً بذالک الرجل علمه النبي ﷺ من طریق الوحي (حاشیہ ترمذی)

اور حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں: ''یا آنحضرت ﷺ آنرا در خصوص ایں مرد بوحی معلوم کرد'' (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ٦٠)

اقوال علماء

کچھوچھوی صاحب نے اپنے مسلک کی تائید میں چار بزرگوں کے اقوال بھی نقل کرنے کی کوشش کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان تائیدی اقوال کی بھی حقیقت واضح کر دوں۔

ا- کچھوچھوی صاحب نے ص ۷ میں امام نودی کا یہ قول نقل کیا ہے: للشارع أن يخص من العموم ماشاء (یعنی شارع علیہ السلام کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہیں خاص فرمادیں)

اس تائید کی نسبت کچھ عرض کرنے سے پہلے میں کچھوچھوی صاحب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ مستفتی نے ان سے یہ پوچھا ہے کہ "کیا رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں اور جس کو چاہیں حرام فرمادیں؟۔۔۔۔۔۔اس کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ کیا امام نووی کی عبارت سے آنحضرت ﷺ کے لئے اسی اختیار کا ماننا ثابت ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں ہوسکتا، پس ایسی بے تعلق عبارت نقل کرنے سے مغالطہ کے سوا کیا حاصل؟ امام نووی کی جو عبارت نقل کی گئی اولاً تو اس کے کسی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ شارع سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں، پس جب شارع کا لفظ خدا کے حق میں بھی بولا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے حق میں بھی، تو بلا دلیل وقرینہ کے خواہ مخواہ آنحضرت ﷺ کو اس سے مراد لینا تحکم ہے۔ ثانیاً اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شارع سے آنحضرت ﷺ ہی

مراد ہیں تو بھی اس عبارت کو مخالفین کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں گفتگو اس میں نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تخصیص ''عام'' کا اختیار ہے یا نہیں، بلکہ اس میں گفتگو ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار ہے یا نہیں، اسی طرح کی عبارتیں علامہ سیوطی و علامہ قسطلانی کی ہیں، ان کا بھی یہی جواب ہے۔

۲- کچھوچھوی صاحب نے ص ۴ میں سیدی علی خواص رحؒ کا قول امام شعرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

فان ما فرضه الله تعالیٰ اشد مما فرضه رسول الله ﷺ من ذات نفسه حین خیره الله تعالیٰ ان یوجب ماشاء او لا یوجب یعنی اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا قوی تر ہے اس سے جس کو حضور ﷺ نے اپنی طرف سے فرض کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں واجب کریں یا نہ کریں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قول سے مخالفین کے مدعا کی کچھ بھی تائید نہیں ہوتی، دراصل کچھوچھوی صاحب اور ان کے ''پیشرو'' اس کلام کی مراد نہیں سمجھ سکے۔ سیدی علی خواص کے کلام میں ''اپنی طرف سے فرض کرنے کی'' مراد اپنے اجتہاد سے فرض کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اختیار دینے سے اسی اجتہاد کا اختیار دینا مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سیدی علی خواص حضور ﷺ کی تمام حدیثوں اور ان تمام احکام کو جو آپ کی طرف منسوب ہیں، قرآن سے مستنبط و ماخوذ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تمام کو آنحضور ﷺ نے قرآن سے اخذ کیا ہے اور کوئی ولی درجہ کمال کو نہیں پہونچ سکتا جب تک تمام حدیثوں کی نسبت یہ معرفت اس کو حاصل نہ ہو جائے کہ اس کو آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کے کس مقام سے استنباط کیا اور اخذ فرمایا ہے چنانچہ

خود امام شعرانی اسی کتاب میزان الشریعۃ میں لکھتے ہیں:

سمعت سيدي عليا الخواص رحمه الله تعالىٰ يقول: لا يبلغ الولي مقام الكمال إلا ان صاريعرف جميع منابع جميع الاحاديث الواردة عن رسول الله ﷺ و يعرف من أين أخذها الشارع من القرآن العظيم فإن الله تعالىٰ قال: مافرطنا في الكتاب من شيء فجميع ما بينه الشريعة من الاحكام هو ظاهر الماخذ للولي الكامل من القرآن كما كان عليه الائمة المجتهدون.

یعنی میں نے سیدی علی خواص ؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ولی رتبہ کمال کو نہیں پہونچتا جب تک تمام احادیث نبویہ کے ماخذوں کو نہ پہچان لے اور جب تک یہ نہ جان لے کہ آنحضرت ﷺ نے ان حدیثوں کو قرآن پاک کے کن کن مقامات سے اخذ کیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے (سب بیان کردیا ہے)، لہذا شریعت نے جتنے احکام بیان کئے ہیں ان سب کا ماخذ ولی کامل کے لئے قرآن پاک میں ظاہر ہے جیسا کہ ائمہ مجتہدین کا حال تھا۔

۳- کچھوچھوی صاحب نے ص ۵ میں امام شعرانی کی یہ عبارت نقل کی ہے:

الثاني ما أباح الحق تعالىٰ لنبيه ﷺ ان يسنه على رأيه یعنی شریعت کی دوسری قسم وہ ہے کہ حق تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اجازت دے دی کہ اپنی رائے سے جو طریقہ چاہیں قائم فرمادیں۔

اس عبارت کو بھی مخالفین کے مدعا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، اس لئے کہ ''اپنی رائے'' سے طریقہ قائم کرنے کی مراد ''اپنے اجتہاد'' سے طریقہ قائم کرنا ہے، دلیل اس

امر کی یہ ہے کہ امام شعرانی کی یہ عبارت رائے مذموم ورائے محمود کے فرق کے ضمن میں واقع ہوئی ہے، اور گویا یہ رائے محمود کی ایک مثال اور اجتہاد واستنباط مجتہدین کے لئے اسوہ بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس عبارت کے چند سطر بعد فرماتے ہیں:

ومعلوم ان السنة قاضية على الكتاب ولاعكس من حيث انها بيان لما أجمل في القرآن كما أن المجتهدين هم الذين بينوا لنا ما في السنة اور اس کے بعد حضرت سیدی علی خواص کا قول نقل کرتے ہیں:

لولا أن السنة بينت لنا ما أجمل في القرآن ما قدر أحد من العلماء على استخراج احكام المياه والطهارة.

ان عبارتوں میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں، ایک سنت (احادیث نبویہ) کا قرآن کے اجمال کا بیان ہونا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیثوں میں اپنی طرف سے حکم نہیں دیا ہے بلکہ قرآن کی شرح فرمائی، اور قرآن سے وہ حکم نکال کر بیان کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ مجتہدین نے جو اجتہادات کئے ہیں تو اسی اسوہ کی پیروی کی ہے اور سنت کے اجمال کی شرح فرمائی ہے اور یہی بات اس سے پہلی فصل میں زیادہ صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں فرماتے ہیں:

دليلهم في ذالک الاتباع لرسول الله ﷺ في تبيينه ما أجمل في القرآن مع قوله تعالىٰ ما فرطنا فى الكتاب من شىء (الى قوله) فكما أن الشارع بين لنا بسنته ما أجمل في القرآن فكذالک الائمة المجتهدون بينوا لنا ما أجمل في السنة

یعنی مجتہدین نے جو اجتہادات کئے ہیں اس میں انھوں نے آنحضرت ﷺ

کے اسوہ کی پیروی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اجمال قرآن کی تشریح کی ہے باوجودیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے، پس جس طرح شارع نے اپنے سنت سے قرآن کریم کے اجمال کا بیان فرمایا ہے اسی طرح مجتہدین نے سنت کے اجمال کی تشریح کی ہے۔

اس عبارت میں گویا امام شعرانی نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیا، بلکہ احکام سب قرآن میں نازل ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اپنی حدیثوں میں انھیں احکام قرآنی کو بیان کیا ہے اور یہیں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رائے نبوی سے ان کی مراد اجتہاد و استنباط نبوی ہے۔

دوسری دلیل اس مراد کی یہ ہے کہ محققین حنفیہ و شافعیہ کی تحقیق کی رو سے ایک قسم احکام شریعت کی وہ بھی ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے بیان کیا اور قائم فرمایا ہے پس اگر اس دوسری قسم میں ''رائے'' سے مراد ''اجتہاد'' نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام شعرانی یہ قسم چھوڑ گئے اور ان کی بیان کی ہوئی تقسیم ناتمام ہے۔

تیسری دلیل اس مراد کی یہ ہے کہ رائے کے تین ہی معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ جو بات آپ کے قلب میں من جانب اللہ القاء کی جائے یہ حسب تصریح محققین وحی کی ایک قسم ہے، لہذا دوسری قسم میں یہ مراد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ دوسری قسم میں ماسوائے وحی کا ذکر ہے، دوسرے یہ کہ جو بات محض اپنی طبیعت و خواہش سے آپ کہیں یہ بھی مراد لینا ممکن نہیں اس لئے کہ قرآن پاک میں وما ینطق عن الھوی فرمایا گیا ہے، پس رائے سے اجتہاد مراد لینا متعین ہے جو اس کے تیسرے معنی ہیں۔

تنبیہ امام شعرانی کی جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اسی کے سلسلہ میں آگے انھوں

نے ایک حدیث کا ایک فقرہ نقل کیا ہے اتر کو نی ماتر کتکم یعنی مجھے چھوڑے رہو جب تک کہ میں تم کو چھوڑے رہوں، اس فقرہ کو کچھوچھوی صاحب نے اپنے مفید مطلب قرار دیا ہے، حالانکہ خود امام شعرانی نے اس فقرہ کا مطلب یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کو کثرت سوال اور کھود کرید کرنے سے منع فرماتے تھے کہ جتنا کرید کریں گے اسی قدر احکام یا ان کے قیود نازل ہوتے جائیں گے، اور ان کے مطابق عمل دشوار ہوگا۔ امت مشقت میں مبتلا ہوگی چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

كان يقول ﷺ لأصحابه اتركوني ما تركتكم خوفا عليهم من كثرة تنزل الأحكام التي يسئلونه عنها فيعجزون عن العمل بها (ص ٢٦)

بلکہ کچھوچھوی صاحب نے جہاں کی عبارت نقل کی ہے خود وہیں امام شعرانی نے لکھا ہے:

يقول اتركوني ما تركتكم خوفا من تنزل الأحكام عن سوالهم فيعجزون عن القيام بها.

مگر کچھوچھوی صاحب نے جب دیکھا کہ اس عبارت میں تو احکام کے نزول کا ذکر ہے تو انھوں نے اس حصہ کو نقل ہی نہیں کیا۔

۴- اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کر دینی مناسب ہے کہ کچھوچھوی صاحب نے ص ۳۰ میں انتہائی دیدہ دلیری سے یہ لکھ دیا کہ ''مولوی اشرف علی تھانوی کو بھی اپنے ترجمہ قرآن میں تسلیم کرنا پڑا ہے کہ ''اس آیت سے احکام شریعت میں بھی اختیار نبوی ثابت ہوتا ہے''۔ حالانکہ یہ صریح افترا پردازی ہے، تفسیر بیان القرآن

جس کے ساتھ حضرت مولانا کا ترجمہ بھی ہے، نیز حضرت مولانا کی ترجمہ والی وہ حمائل شریف جو باہتمام مولوی نور محمد دہلی میں طبع ہوئی ہے دونوں میرے پیش نظر ہیں ان میں کہیں یہ موجود نہیں۔

اب میں چاہتا ہوں کہ امام شعرانی کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کروں جن میں صاف صاف مسلک حق کی تصریح موجود ہے۔

۱- امام شعرانی اسی کتاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں خلیفہ ہارون رشید کے عہد کے ایک معمولی آدمی کا مقولہ نقل کرتے ہیں اور اس کا کوئی رد نہیں فرماتے۔

والله یا أمیر المومنین ما کان التحریم لرسول اللهﷺ الا بوحي من ربه عزوجل وقد قال تعالیٰ لتحکم بین الناس بما أراک الله لم یقل بما رأیت یا محمد فلو کان الدین بالرأي لکان رأي رسول اللهﷺ لا یحتاج الیٰ وحي وکان الحق تعالیٰ أمره أن یعمل به بل عاتبه الله تعالیٰ حین حرم علیٰ نفسه ما حرم في ماریة وقال یا أیها النبي لم تحرم ما أحل الله لک.

ترجمہ: یعنی خدا کی قسم اے امیر المومنین آنحضرتﷺ کے لئے بھی بلا وحی الٰہی تحریم کا اختیار نہ تھا، خدا نے فرمایا کہ آپ فیصلہ کریں اس چیز کے مطابق جو خدائے تعالیٰ آپ کو سوجھائے یہ نہیں فرمایا کہ جو آپ اپنی طبیعت سے سمجھیں، پس اگر شریعت محض رائے سے مقرر ہو سکتی تو آنحضرتﷺ کی رائے وحی کی محتاج نہ ہوتی اور حق تعالیٰ آپ کو محض رائے پر عمل کرنے کا حکم دے دیتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس وقت جب آپ نے ماریہ کے قصہ میں اپنے اوپر کچھ حرام کر لیا تو عتاب فرمایا اور کہا کہ اے

نبی آپ اس شے کو کیوں حرام کرتے ہیں جو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے۔

۲-اور اس سے صاف الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ سے نقل کرتے ہیں:

بخلاف الانبياء لايتركون الحكم الأول إلا بامر جديد ورد عليهم من الله تعالىٰ ينسخ حكمه فهم في حال عملهم و في حال تركهم تابعون لأمر الشارع خارجون عن رأي نفوسهم كما أشار اليه قوله تعالىٰ لتحكم بين الناس بما أراک الله وقال في خلافة داؤد و لا تتبع الهوى فيضلک عن سبيل الله فخص سبحانه و تعالىٰ حكم محمد وغيره بما أراه الله تعالىٰ لنبيه و لم يقل له احكم بما رأيت بل عاتبه لما حرم باليمين ما حرم على نفسه في قصة عائشة و حفصة تشريعا لنا فقال يا أيهاالنبي لم تحرم ما أحل الله لک تبتغي مرضات أزواجک فكان هذا من جملة ماأرته نفسه الشريفة وتبين أن المراد بقوله بما أراک الله أي ما يوحى به اليک لا ما تراه من رأيک فلو كان الدين بالرأي لكان رأي رسول الله ﷺ عليه و سلم أولى من كل رأي.

ترجمہ: برخلاف انبیاء کے کہ وہ پہلا حکم نہیں چھوڑتے جب تک کہ ان کے پاس کوئی نیا حکم خدا کے پاس سے نہ آوے جو پہلے حکم کو منسوخ کردے، پس وہ دونوں حالتوں میں شارع (خدا) کے حکم کے تابع ہوتے ہیں اور اپنی ذاتی رائے سے بالکل باہر جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ "تاکہ آپ اس چیز سے فیصلہ کریں جو

خدا آپ کو دکھائے'' اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت میں فرمایا کہ ''اپنی خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے'' پس اللہ تعالیٰ جل وعلا نے آنحضرت ﷺ وغیرہ کے حکم دینے کو اس چیز سے خاص کر دیا جو خدا اپنے نبی کو سوجھائے، اور یہ نہیں کہا کہ جو تم مناسب سمجھو حکم دو بلکہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے نفس پر حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کے قصہ میں قسم سے کچھ حرام کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تشریع کے طور پر آنحضرت ﷺ کو عتاب فرمایا کہ اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے الخ تو یہ جو آپ نے حرام کیا تھا، آپ کی اپنی طبیعت اور ذاتی رائے سے تھا، اور ظاہر ہوگیا کہ بما اراک اللہ سے یہ مراد ہے کہ جو خدا آپ کی طرف وحی کرے نہ وہ جو آپ اپنی طبیعت سے مناسب سمجھیں لہذا اگر شریعت رائے محض سے ہوتی تو حضرت ﷺ کی رائے سب سے اولیٰ ہوتی۔

دیکھئے اس عبارت میں کیسا صاف صاف فرمایا کہ

(الف) آنحضرت ﷺ اور جملہ انبیاء ہر حکم میں خدائے تعالیٰ کے تابع ہیں

(ب) ان کو صرف وحی کے مطابق حکم دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ج) اپنی طرف سے حکم دینے کا اختیار ان کو نہیں دیا گیا ہے۔

(د) اپنی طرف سے ایک چیز حرام کی تو اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ پر عتاب فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

کہئے کچھوچھوی صاحب! کیا حضرت شیخ اکبر جن کو آپ کے مجدد مأتہ حاضرہ ''حضرت سیدی امام المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ‘‘ وغیرہ لکھا کرتے ہیں وہ بھی ’’وہابی ملحد‘‘ تھے؟ توبہ توبہ!!

۳-امام شعرانی الیواقیت کے دوسرے مقام میں شیخ اکبر ہی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ونحن نعلم أن الشارع هو الله تعالیٰ ولا يغرب عن علمه شیء (الیٰ قوله) فانه ﷺ مبلغ عن الله احكامه فيما أراده الله تعالیٰ لاينطق قط عن هوى نفسه ولا ينسى شيئا مما أمره بتبليغه إن هو إلاوحي يوحى.

ترجمہ: ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی شارع ہیں اور اس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں......پس بے شک آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہونچانے والے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے (دین کے معاملہ میں) کوئی بات نہیں بولتے، نہ جس کی تبلیغ کا حکم ہے اس میں سے کوئی بات بھولتے ہیں آپ جو بولتے ہیں وہ صرف وحی ہی ہوتی ہے۔

غور سے دیکھئے کیسا صاف لکھا ہے کہ صرف خدا ہی شارع ہے اور کوئی نہیں اور آنحضرت ﷺ شارع بمعنی حاکم نہیں ہیں بلکہ احکام کی تبلیغ فرمانے والے ہیں۔

۴-اسی کتاب کے ایک اور باب میں لکھتے ہیں:

وتامل قوله ﷺ لما خطب في قصة تزويج علي على فاطمة ابنة ابي جهل ان فاطمة بضعة منى ويسوء ني ما يسوء ها ويسرني ما يسرها وانه ليس لي تحريم ما أحل الله ولا تحليل ما حرم الله ولكن إن اراد ابن أبي طالب ذلک يطلق ابنتي فوالله ما تجتمع بنت

عدو الله مع بنت رسول الله تحت رجل واحد أبدا، فما طلب ﷺ مع معرفته هذا الوجه الإلهي إلا إبقاء ما هو محرم على تحريمه وما هو محلل على تحليله فلم يحرم علىٰ علي نكاح ابنة ابى جهل إذ كان ذلک حلالا وإنما قال إن اراد ابن أبي طالب (الى) فرجع ابن أبي طالب عن ذلک فلو أنه كان لأحد من المجتهدين أن يحرم ما أحل الله باجتهاده لكان رسول الله ﷺ اولىٰ بذالک وما فعل مع أن له الكشف الاتم والحكم الاعم ﷺ.

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے اس قول کو غور سے پڑھو جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فاطمہؓ میری لخت جگر ہے جس چیز سے اس کو رنج پہونچے گا اس سے مجھ کو بھی پہونچے گا اور جس چیز سے اس کو خوشی ہوگی مجھ کو بھی ہوگی مجھ کو یہ اختیار تو ہے نہیں کہ جو چیز اللہ نے حلال کی ہے اس کو میں حرام کردوں، لیکن ابن ابی طالب کا اگر یہ ارادہ ہے تو میری لڑکی کو چھوڑ دے خدا کی قسم دشمن خدا کی لڑکی اور رسول خدا کی جگر گوشہ دونوں ایک شخص کے نکاح میں یکجا نہیں ہوسکتیں، (دیکھو) ....اس الٰہی وجہ کے ہوتے ہوئے بھی آنحضرت ﷺ نے اس کے سوا کچھ خواہش نہیں کی کہ جو حرام ہے وہ بدستور حرام ہی رہے اور جو حلال ہے وہ حلال باقی رہے، چنانچہ ابوجہل کی بیٹی سے حضرت علیؓ کے نکاح کو حرام نہیں قرار دیا اس لئے کہ وہ حلال تھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اگر ابن ابی طالب کا یہ ارادہ ہو الخ، یہ سن کر حضرت علیؓ خود باز آ گئے پس اگر کسی مجتہد کو اپنے اجتہاد سے خدا کی حلال کی ہوئی چیز کے حرام کرنے کا اختیار ہوسکتا تو آنحضرت

ﷺ اس کے زیادہ حقدار ہوتے حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا باوجودیکہ آپ کا علم اور آپ کا حکم مجتہد کے علم وحکم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کیا اس تصریح کے بعد بھی کوئی ''حیادار'' انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ امام شعرانی بھی آنحضرت ﷺ کے لئے شریعت میں ایسا اختیار مانتے ہیں، کہ جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کر دیں اور کیا یہ عبارت پڑھ کر بھی کوئی یہ بے ہودہ گوئی کر سکتا ہے کہ اس اختیار سے انکار کرنا ''وہابی ملحدوں'' کا کام ہے۔

خاتمہ

سلسلۂ کلام دراز ہوتا جارہا ہے اور اندیشہ ہے کہ ناظرین کہیں اکتا نہ جائیں، اس لئے اس وقت اس بحث کوختم ہی کردینا مناسب ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ ختم کرنے سے پہلے مسلک حق کے چند اور دلائل بھی ذکر کردوں، اس سے پہلے سترہ دلیلیں آپ پڑھ چکے ہیں، اب اس کے آگے پڑھئے۔

۱۸۔۱۹- سنن ترمذی ونسائی میں حضرت ابوقتادہؓ سے اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کے لئے اس کو کفارہ بنادے گا، آپ نے فرمایا بشرطیکہ تم صابر و ثابت قدم رہو، خالص نیت کے ساتھ اس طرح لڑو کہ دشمن کو پیٹھ نہ دو، پھر آپ نے فرمایا، تم نے کیا کہا ذرا پھر تو کہنا، انھوں نے پہلا سوال دہرایا اس پر آپ نے وہی جواب دیا اور فرمایا کہ مگر دَین (قرض) معاف نہ ہوگا، اور فرمایا کہ یہ ابھی مجھ سے جبریل نے کہا ہے (ترمذی ج ا ص ۲۰۴ ونسائی ۶۰/۲) اس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن کے علاوہ سنت سے جو امور دین ثابت ہیں، ان کی بھی وحی آتی تھی، جیسا کہ حسان بن عطیہ کا قول نمبر ۱۷ میں پیش کیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء ''سنت'' کو وحی غیر متلو کہتے ہیں، (دیکھو نورالانوار وغیرہ)

۲۰- صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے مروی ہے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صدقہ یا مال غنیمت میں کچھ خیانت کرے گا اس کو اپنی گردن

بر قیامت کے دن لادے ہوئے آئے گا، یہ حدیث ارشاد فرما کر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور تین بار فرمایا اے قوم کیا میں نے اللہ کا حکم پہونچا دیا، حدیث کا لفظ ہے ألا هل بلغت؟ علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر اس کی شرح کرتے ہیں "والمراد هل بلغت حكم الله اليكم" (فتح الباری ۱۳ص۳۴ او عمدۃ القاری ۱۱ص۱۰۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ امور دین جو کچھ آپ اپنی زبان سے فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خدا کے حکم کی تبلیغ فرماتے تھے۔ یہ لفظ صرف اسی حدیث میں نہیں بلکہ اور حدیثوں میں بھی وارد ہوا ہے، مثلاً حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابوبکرہؓ کی وہ حدیث جس میں مسلمان کی جان و مال و آبرو کی حرمت کا اعلان ہے (دیکھو بخاری وغیرہ)

۲۱ - ابوداؤد، دارمی، اور ابن ماجہ میں حضرت مقدامؓ بن معدیکرب سے مروی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آگاہ ہو جاؤ مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کی مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے، حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وداده شده است مرا مانند قرآن با قرآن که احادیث باشد ومماثلت در بودن اوست از وحی چنانکه قرآن وحی است منزل از جناب قدس الٰہی ہم چنیں احادیث نیز وحی است وارداز جانب حق۔

شیخ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مثل قرآن سے مراد احادیث ہیں، اور وہ اس لحاظ سے مثل قرآن ہیں کہ جس طرح قرآن وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے حدیثیں بھی وحی سے وارد ہوئی ہیں، اس لحاظ سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حدیثوں میں

جو احکام بیان کئے ہیں وہ سب بھی بذریعہ وحی آئے ہیں، آپ نے اپنی طرف سے نہیں دئے ہیں۔

یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسی حدیث میں آگے جو یہ مذکور ہے کہ ''جس چیز کو آنحضرت ﷺ نے حرام کیا وہ اسی چیز کی طرح ہے جس کو خدا نے حرام کیا'' اس کی مراد یہ ہے کہ جس کی حرمت سنت سے ثابت ہوئی ہو، واجب الاجتناب ہونے میں وہ اس چیز کی طرح ہے جس کی حرمت کتاب اللہ سے ثابت ہو یعنی تحریم کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف مجازی ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ خود فرما چکے ہیں کہ مجھے وہ عطا کی گئی ہے۔

۲۲۔ ''لمحہ فکریہ'' کے عنوان کے ماتحت ضمناً آپ پڑھ آئے ہیں کہ سنن ابی داؤد میں بروایت حضرت ام سلمہؓ مذکور ہے وانما أقضي برأيي فيما لم ينزل علي آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ میں اپنی رائے سے حکم دیتا ہوں اس صورت میں کہ مجھ پر اس کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہو، اس حدیث کو علامہ ابن امیر حاج حنفی نے وقوع اجتہاد نبوی کے باب میں نص صریح کہا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث میں رائے سے مراد اجتہاد ہے، اس بات کو لحاظ میں رکھئے، اور انما کلمہ حصر کو بھی نظر انداز نہ کیجئے تو حدیث کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ اور حکم دینے کی بس دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ وحی نازل ہو دوسرے یہ کہ اجتہاد فرمائیں تیسری کوئی صورت نہیں۔

۲۳۔ صحیح مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے إذا أمرتكم بشيء من دينكم فخذوا به یعنی جب میں تم کو تمھارے دین کی کسی بات کا حکم دوں

تو اس کی پابندی کرو، بعینہ اسی واقعہ میں اسی مضمون کو حضرت طلحہؓ یوں روایت کرتے ہیں: إذا حدثتكم عن الله شيئا فخذوا به یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب میں خدا سے کچھ روایت کروں اور اس کا حکم تم سے بیان کروں تو اس کی پابندی کرو (صحیح مسلم) ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھئے تو صاف کھل جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دین کے بارے میں جو حکم بھی دیتے ہیں وہ خدا ہی کا دیا ہوا (صریح یا مستنبط) حکم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ شریعت آپ خود نہیں بناتے بلکہ خدا کے یہاں سے نازل ہوتی ہے۔

۲۴- صحیح بخاری ج ۲ ص...... صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ میں حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا اور اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا تھا۔

وإني لست أحرم حلالا ولا أحل حراماً ولكن والله لاتجتمع بنت رسول الله ﷺ و بنت عدو الله أبداً یعنی میں کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال تو نہیں کر سکتا لیکن بخدا رسول اللہ کی قرۃ العین اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔

یہ حدیث صحیحین کے علاوہ ابوداؤد ص ۲۰۵، ابن ماجہ، مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۶، کنز العمال ج ۶ ص ۲۱۸-۲۱۹ و سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۸، اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۸۰ میں بھی مذکور ہے اشعۃ اللمعات کے الفاظ یہ ہیں:

''گفت من حرام نمی گردانم حلال را و حلال نمی گردانم حرام را ولیکن ہر گز جمع نشود دختر دوست خدا و دختر دشمن خدا در یکجا'' (ج ۴ ص ۳۸۰)

اس حدیث میں کتنی صراحت سے مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تحلیل و تحریم کا اختیار نہ تھا۔

۲۵-ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن الربیع کی بی بی اپنی دو لڑکیوں کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ سعد کی لڑکیاں ہیں ان کے باپ آپ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گئے انھوں نے جو کچھ چھوڑا اس پر لڑکیوں کے چچا قابض ہو گئے، اب لڑکیوں کے پاس کچھ مال نہیں ہے اور بلا مال کے ان کا نکاح نہ ہو سکے گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے باب میں اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ کرے گا، چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی، ابن ماجہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاموش رہے، (یعنی کوئی حکم نہیں بیان کیا) یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہوئی۔

بہ خیال اختصار انھیں چند دلائل پر اکتفا کرتا ہوں طالب حق کے لئے یہی پچیس دلیلیں کافی سے زیادہ ہیں، باقی معاندین کے لئے تو ایک دفتر بھی بیکار ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی شہادت ہاں اخیر میں یہ بھی ذکر کر دوں کہ یہ (اپنی طرف سے امور دین میں کچھ نہ کہنا بلکہ وحی سے معلوم کر کے کہنا) آنحضرت ﷺ کا ایسا امتیازی وصف ہے کہ کتب سابقہ میں اس کو آپ کا نشان قرار دیا گیا ہے، اور اسی وصف کے ساتھ آپ کی بشارت سنائی گئی ہے، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

''ابن جوزی در کتاب الوفا باخبار المصطفیٰ ذکر کردہ کہ ابن قتیبہ روایت کردہ است کہ مسیح مرحواریین را گفت کہ من می روم و بعد از من فارقلیط می آید کہ روح حق است کہ تکلم نمی کند از نزد نفس خود و نمی گوید مگر آنچہ گفتہ می شود (الی قولہ) در حکایت یوحنا

کہ یکے از حواریین است آمدہ کہ مسیح گفت فارقلیط نمی آید شما را تا آنکہ نمی روم من و چوں می آید توبیخ کند عالم را بر گناہاں و نمی گوید سخن از پیش خود الخ ج ا ص ۶۹

اور علامہ قسطلانی مواہب میں اس کو یوں نقل کرتے ہیں:

"فاذا جاء روح الحق ليس ينطق من عنده بل يتكلم بكل مايسمع من الله و يخبرهم بما ياتي وهو يمجدني لأنه يأخذ مما هو لي ويخبركم فقوله ليس ينطق من عنده وفي الرواية الاخرىٰ ولا يقول من تلقاء نفسه بل يتكلم بكل مايسمع من الله الذى أرسله هذا كما قال تعالىٰ في صفته ومايانطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحي يوحى"

یوحنا کی انجیل اصحاح ۱۶ درس ۱۳ میں ہے، "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن وہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا (نیا عہد نامہ ص ۱۲۸، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۲ء)

تحقیق بارع کی ایک مضحکہ خیز تقریظ اصل رسالہ کا جواب تو ہو چکا لیکن بڑا ستم ہوگا اگر "جامعہ اشرفیہ" کچھوچھہ کے مدرس اول صاحب کی تقریظ پر کوئی توجہ نہ کی جائے، اس لئے ایک طائرانہ نگاہ اس پر بھی ڈال لیجئے اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ کچھوچھوی صاحب کے پورے رسالہ سے جتنا لطف آپ نے حاصل کیا اس سے چند گونہ زائد سامان تفریح اس ایک صفحہ کی تقریظ میں آپ پائیں گے، مدرس اول صاحب کی تقریظ کیا ہے "کشت زار زعفران" ہے چنانچہ پہلے آپ بڑے شد و مد سے فرماتے ہیں:

"مسلمان اس قاعدہ کا کیوں کر انکار کرتا ہے، یہ تو مدار اسلام ہے اگر حضور انور ﷺ کو احکام شریعت میں صاحب اختیار نہ مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ صرف قرآن ہی سے مسائل حاصل کئے جائیں نہ کہ حدیث سے، کیوں کہ اگر غور کیا

جائے تو حدیث فرمان مصطفیٰ ﷺ ہی کا تو نام ہے (الی قولہ) اگر حضور کو شریعت میں اختیار نہیں ہے تو اس قسم کے احکام واجب العمل نہ ہونے چاہئیں''

سبحان اللہ کیا معقول بات ہے، کہ آنحضرت ﷺ کو احکام شریعت میں صاحب اختیار مانا جائے اور یہ کہا جائے۔

کہ آپ نے حدیثوں میں اپنے اختیار سے حکم دیئے ہیں تب تو حدیثوں سے مسائل حاصل کئے جا سکتے ہیں، اور اگر آنحضور ﷺ کو متبع وحی مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ حدیثوں میں بھی آپ نے وہی احکام بیان کئے ہیں، جو بذریعہ وحی غیر متلو آپ پر نازل ہوئے ہیں یا وحی متلو سے آپ نے استنباط فرمائے ہیں، تو حدیثوں سے مسائل حاصل نہیں کئے جا سکتے۔

نیز کیا کوئی صاحب علم یہ سن کر ہنسی کو ضبط کر سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ اپنے اختیار سے حکم دیں تو وہ واجب العمل ہے لیکن اگر وحی غیر متلو کے ذریعہ کوئی حکم نازل ہو اور اس کو آپ بیان کریں تو وہ واجب العمل نہیں ہوسکتا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، پھر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ ایک طرف تو مدرس اول صاحب آنحضور ﷺ کو احکام شریعت میں صاحب اختیار نہ ماننے کی صورت میں احادیث سے مسائل حاصل کئے جانے کو ناممکن کہتے ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ احادیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے اختیار سے حکم دئے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ احکام رسول اللہ ﷺ درحقیقت احکام خداوند تعالیٰ ہی ہوتے ہیں اور ان کا فرمان فرمان الٰہی ہوتا ہے وما ینطق عن الھویٰ إن ھو إلا وحی یوحی کے عموم نظم کا یہی تقاضہ ہے، اسی لئے اصولیین حدیث و قرآن میں صرف اتنا فرق کرتے ہیں کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو یعنی وحی دونوں ہیں''

جزاک اللہ بالکل سچی بات کہی لیکن جب حدیث بھی وحی ہے، اور

حدیث میں بھی آں حضرت ﷺ نے وحی ہی کا حکم بیان کیا ہے تو آپ احکام شریعت میں صاحب اختیار کہاں ہوئے؟ آپ نے تو اس دوسری بات میں خود اپنی تردید کردی "كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا" (۱) اور نہ صرف اپنی بات کی تردید بلکہ "محدث" کچھوچھوی صاحب کے پورے رسالہ کارد فرمادیا مگر افسوس ہے کہ نہ آپ کو اس کا احساس ہوا نہ ان کو، اسی کہتے ہیں..........

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

"صدر مدرس صاحب" کی تقریظ میں اور بھی لطیفے ہیں مگر تطویل کے اندیشہ سے اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں اور سب سے آخر میں خاتم المحققین مولانا عبد الحی صاحب کی ایک عبارت پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں، مولانا تذکرۃ الراشد ص ۲۴۷ میں تحریر فرماتے ہیں:

من المعلوم عقلا ونقلا أن الحاكم الحقيقي والأمر التحقيقي ليس إلا الله وحده و من سواه مجاز ومجاز و إن كان نبيه ورسوله یعنی حقیقی طور پر حکم دینے والا بس اللہ ہے باقی سب لوگ حتی کہ انبیاء بھی مجازی طور پر حکم دینے والے ہیں بایں معنی کہ وہ خدا کا حکم پہونچانے والے ہیں اور اس کو ظاہر و بیان کرنے والے۔

وهذا آخر الكلام والحمد لله المنعام والصلوٰة والسلام على رسوله واصحابه الكرام.

(۱) اس بڑھیا کی طرح جس نے اپنا کاتا سوت مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا۔

ہماری مطبوعات

تحقیق اہل حدیث

لفظ اہلحدیث کے استعمال اور اس کی تاریخ پر ناقدانہ ومحققانہ تبصرہ، حضرت محدث کبیرؒ کی جودت فکر ونظر کا شاہکار۔ قیمت: ۱۵؍روپے

الاعلام المرفوعة فی حکم الطلقات المجموعة

ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع پر قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کے آثار وفتاویٰ پر مشتمل دلائل کا بیش قیمت مجموعہ۔ قیمت: ۲۵؍روپے

نصرة الحدیث

منکرین حدیث کے دعاوی ودلائل کا مدلل ومفصل احتساب، نہایت محققانہ اور بصیرت افروز کتاب ہے، بیش بہا علوم ومعارف کا خزانہ، حضرت محدث کبیر کے کمال علم کا شاہکار۔ قیمت: ۵۰؍روپے

رکعات تراویح

تراویح کی کتنی رکعتیں مسنون ہیں، ائمہ اربعہ کے مسلک کے مطابق بیس یا بعض لوگوں کے قول کے مطابق آٹھ، اس کا جامع اور مدلل فیصلہ، اہل علم کے لئے معلومات ودلائل کا بیش قیمت خزینہ۔ قیمت: ۱۵؍روپے

دستکاراہل شرف

دستکار علماء وصالحین کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک نادر تصنیف۔ قیمت: ۷۰؍روپے

رہبر حجاج

حجاج کیلئے مختصر اور مفید معلومات، اور اہل علم کے لئے تحقیقی مضامین کا مجموعہ۔ قیمت ۱۲؍روپے

انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت

حدیث وتفسیر اور فقہ وتاریخ کے مستند حوالوں اور پر مغز دلائل کا بہترین مرقع، ایک بے نظیر تصنیف، اپنے موضوع پر قول فیصل۔ قیمت: ۳۵؍روپے

اعیان الحجاج

مشاہیر اسلام کے حج کے بصیرت افروز حالات وواقعات، بہت ہی ایمان افروز کتاب ہے۔

حصہ اول: ۸۰؍روپے حصہ دوم: ۶۰؍روپے

ایثار آخرت

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی بابرکت تصنیف کا عمدہ اور سلیس ترجمہ، گھروں میں اور مسجدوں میں سنانا، دین کا ذوق پیدا کرنے کے لئے مفید ہے۔ ترجمہ: حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مئویؒ۔ قیمت: ۵۰؍روپے

حسن ادب اور اس کی اہمیت

علماء سلف کے اقوال اور ان کے اخلاق وعادات کا ایک خوبصورت اور بیش قیمت مجموعہ، تزئین وتہذیب اخلاق کی تعلیم کے لیے اہم، مفید اور مؤثر رسالہ، طلباء مدارس کو بطور خاص اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیمت: ۱۶؍روپے

حیات ابوالمآثر

محدث کبیر محقق جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی قدس سرہ العزیز کے احوال وسوانح پر حضرتؒ کی تحریروں اور دیگر حوالوں سے مدلل ایک بیش قیمت اور جامع دستاویز۔ قیمت: ۳۰۰؍روپے

اہل دل کی دل آویز باتیں

اولیاء کرام اور اہل اللہ کے چھوٹے چھوٹے اور مختصر، سبق آموز اور بصیرت افروز واقعات کا بہترین مجموعہ، قلب وروح کو جلا بخشنے والی کتاب۔ قیمت: ۲۰؍روپے

MADRASA MIRQATUL ULOOM - P.O.BOX No.1, MAU-275101(U.P.) INDIA, ✆ 220469

Printed at: Shervani Art Printers Delhi-110 006 ✆ 2943292